اشاعتِ اوّل: جُمادَی الثانیة ۱٤٤٠ھ/ مارچ ۲۰۱۹

دینی تعلیمات پر مشتمل دس مفید

علمی و تحقیقی مضامین (دوسرا حصہ)

ماہِ رَجَبُ المُرجّب: فضائل، احکام، منکرات
دعا میں وسیلہ پیش کرنے کا شرعی حکم
اپنے عقائد کا تحفُّظ کیجیے!!
وضو سُنت کے مطابق کیجیے!!
حضور ﷺ جِنّات کے بھی رسول ہیں!
قدرتِ باری تعالیٰ اور مسئلہ امکانِ کذب
شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم
تکبیراتِ تشریق کے احکام
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنے کا حکم
اپنے مجتہد امام کے مذہب پر عمل پیرا رہیے!!

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ وہ بغیر کسی استحقاق کے دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ الحمدللہ کہ ایک عرصے سے تحریری طور پر بھی دین کی خدمت کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے، جس کے نتیجے میں متعدد کتب ورسائل لکھنے کی توفیق نصیب ہوئی، اسی کے ساتھ ساتھ تحریری طور پر دینی سوالات کے جوابات دینے کا سلسلہ بھی قائم ہے، بسا اوقات یہ جوابات مقالات ومضامین کی صورت اختیار کرلیتے ہیں، زیرِ نظر کتاب درحقیقت ان تفصیلی مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے جو مختلف سوالات کے جواب میں یا کسی اور ضرورت کے تحت لکھے گئے ہیں، ان میں نظریاتی مضامین بھی ہیں، فقہی بھی اور تحقیقی بھی۔ ان کے مابین کسی خاص ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا، اس لیے ان کے مابین کوئی خاص ربط وتعلق نہیں بلکہ ہر ایک مضمون دوسرے سے مختلف ہے، چوں کہ اس طرح کے مضامین کافی تعداد میں ہیں اس لیے اس دوسرے حصے کے بعد ان مضامین کے دیگر حصے بھی جلد مرتّب کرلیے جائیں گے ان شاء اللہ۔ اہلِ علم سے درخواست ہے کہ ان مضامین میں کسی قسم کی کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں، بندہ ممنون رہے گا۔ جزاکم اللہ خیراً

اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرما کر بندہ کے لیے، بندہ کے والدین، اہل وعیال، خاندان، اساتذہ کرام، حضرات اکابر، احباب اور پوری امتِ مسلمہ کے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

بندہ فقیر الی اللہ
مبین الرحمٰن
جُمادی الثانیہ 1440ھ / مارچ 2019
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
03362579499

ماہِ رجب سے متعلق متعدد غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے مطالعہ کیجیے

مَاہِ رَجَبُ المُرَجَّب

فضائل - احکام - منکَرات

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

رجب حُرمت والا مہینہ ہے:

رجب اسلامی سال کا ساتواں مہینہ ہے، یہ اُن چار بابرکت مہینوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بناتے وقت ہی سے بڑی عزت، احترام، فضیلت اور اہمیت عطا فرمائی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ التوبہ میں فرماتے ہیں:

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَٰبِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَآ أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ وَقَٰتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَٰتِلُونَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے، جو اللہ کی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ یہی دین (کا) سیدھا (تقاضا) ہے۔ (آسان ترجمہ قرآن)

اس آیت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلامی سال کے بارہ مہینے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمائے ہیں، جس سے اسلامی سال اور اس کے مہینوں کی قدر وقیمت اور اہمیت بخوبی واضح ہوتی ہے۔ اسی طرح اس سے معلوم ہوا کہ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت، عظمت اور احترام والے ہیں، ان کو **اَشْھُرُ الْحُرُم** بھی کہا جاتا ہے، یہ مضمون متعدد احادیث میں آیا ہے جس سے ان چار مہینوں کی تعیین بھی واضح ہو جاتی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ:

٣١٩٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا: أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ».

ترجمہ: حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ زمانہ اب اپنی اسی ہیئت اور شکل میں واپس آگیا ہے جو اس وقت تھی جب اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے، ان میں

سے چار مہینے حرمت(، عظمت اور احترام) والے ہیں، تین تو مسلسل ہیں یعنی: ذُوالقعدہ، ذُوالحجہ اور مُحرّم، اور چوتھا مہینہ رجب کا ہے جو کہ جُمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے۔

ماہِ رجب المُرجَّب کی فضیلت کا نتیجہ اور اس کا تقاضا:

ان مہینوں کی عزت وعظمت اور احترام کی بدولت ان میں ادا کی جانے والی عبادات کے اجر وثواب میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ گناہوں کے وبال اور عذاب میں بھی زیادتی ہوتی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان مہینوں میں عبادات کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنے کا بخوبی اہتمام کرنا چاہیے۔ حضرات اہلِ علم فرماتے ہیں کہ جو شخص ان چار مہینوں میں عبادت کا اہتمام کرتا ہے اس کو سال کے باقی مہینوں میں بھی عبادات کی توفیق ہوجاتی ہے اور جو شخص ان مہینوں میں گناہوں سے بچنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے تو سال کے باقی مہینوں میں بھی اسے گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے۔

(احکام القرآن للجصاص سورۃ التوبہ آیت: 36، معارف القرآن سورۃ التوبہ آیت: 36)

"احکام القرآن للجصاص" کی ایمان افروز عبارت ملاحظہ فرمائیں جو کہ سورۃ التوبہ آیت: 36 کی تفسیر میں مذکور ہے:

وَإِنَّمَا سَمَّاهَا حُرُمًا؛ لِمَعْنَيَيْنِ: أَحَدُهُمَا: تَحْرِيمُ الْقِتَالِ فِيهَا وَقَدْ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ أَيْضًا يَعْتَقِدُونَ تحريم القتال فيها وقال الله تعالى: «يسئلونك عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فيه كبير»، وَالثَّانِي: تَعْظِيمُ انْتِهَاكِ الْمَحَارِمِ فِيهَا بِأَشَدَّ مِنْ تَعْظِيمِهِ فِي غَيْرِهَا وَتَعْظِيمِ الطَّاعَاتِ فِيهَا أَيْضًا، وَإِنَّمَا فَعَلَ اللَّهُ تَعَالَى ذَلِكَ لِمَا فِيهِ مِنْ الْمَصْلَحَةِ فِي تَرْكِ الظُّلْمِ فِيهَا لِعِظَمِ مَنْزِلَتِهَا فِي حُكْمِ اللَّهِ وَالْمُبَادَرَةِ إِلَى الطَّاعَاتِ من الاعتمار وَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَغَيْرِهَا كَمَا فَرَضَ صَلَاةَ الْجُمُعَةِ فِي يَوْمٍ بِعَيْنِهِ وَصَوْمَ رَمَضَانَ فِي وَقْتٍ مُعَيَّنٍ وَجَعَلَ بَعْضَ الْأَمَاكِنِ فِي حُكْمِ الطَّاعَاتِ، وَمُوَاقَعَةُ الْمَحْظُورَاتِ أَعْظَمُ مِنْ حُرْمَةِ غَيْرِهِ نَحْوَ بَيْتِ اللَّهِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْمَدِينَةِ، فَيَكُونُ تَرْكُ الظُّلْمِ وَالْقَبَائِحِ فِي هَذِهِ الشُّهُورِ وَالْمَوَاضِعِ

دَاعِيًا إلى تركها في غيره، ويصير فِعْلِ الطَّاعَاتِ وَالْمُوَاظَبَةِ عَلَيْهَا فِي هَذِهِ الشُّهُورِ وَهَذِهِ الْمَوَاضِعِ الشَّرِيفَةِ دَاعِيًا إِلَى فِعْلِ أَمْثَالِهَا فِي غَيْرِهَا لِلْمُرُورِ وَالِاعْتِيَادِ وَمَا يَصْحَبُ اللهُ الْعَبْدَ مِنْ تَوْفِيقِهِ عِنْدَ إِقْبَالِهِ إِلَى طَاعَتِهِ وَمَا يَلْحَقُ الْعَبْدَ مِنَ الْخِذْلَانِ عِنْدَ إِكْبَابِهِ عَلَى الْمَعَاصِي وَاشْتِهَارِهِ وَأُنْسِهِ بِهَا، فَكَانَ فِي تَعْظِيمِ بَعْضِ الشُّهُورِ وَبَعْضِ الْأَمَاكِنِ أَعْظَمُ الْمَصَالِحِ فِي الِاسْتِدْعَاءِ إِلَى الطَّاعَاتِ وَتَرْكِ الْقَبَائِحِ وَلِأَنَّ الْأَشْيَاءَ تَجُرُّ إِلَى أَشْكَالِهَا وَتُبَاعِدُ مِنْ أَضْدَادِهَا فَالِاسْتِكْثَارُ مِنَ الطَّاعَةِ يَدْعُو إِلَى أَمْثَالِهَا وَالِاسْتِكْثَارُ مِنَ الْمَعْصِيَةِ يَدْعُو إِلَى أَمْثَالِهَا.

ان چار مہینوں میں سے چوں کہ رجب کا مہینہ بھی ہے، اس لیے اس کی عزت واحترام کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اس مہینے میں عبادات کی طرف بھرپور توجہ دی جائے اور گناہوں سے بچنے کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔

رجب کا مہینہ شروع ہونے پر حضور ﷺ کا مبارک عمل:

جب رجب کا مہینہ شروع ہوتا تو حضور ﷺ یہ دُعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبٍ وَّشَعْبَانَ، وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ. (كتاب الدعاء للطبراني حديث: 911)

ترجمہ: اے اللہ! ہمارے لیے ماہِ رجب اور شعبان میں برکت عطا فرمایئے اور ہمیں رمضان تک پہنچایئے۔

ماہِ رجب کے اعمال سے متعلق ایک اہم وضاحت:

یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ اس مہینے میں عبادات کے اہتمام اور نیکیوں کے ذوق وشوق میں اضافہ ہونا چاہیے، البتہ یہ یاد رہے کہ اس مبارک مہینے کی کسی تاریخ، دن یا رات میں شریعت نے کوئی خاص عبادت مقرر نہیں فرمائی اور نہ ہی کسی اضافی عبادت کو کسی موقع پر لازم قرار دیا ہے، بلکہ موقع محل کے اعتبار سے شب وروز میں نوافل، روزے، ذکر وتلاوت، دعائیں، صدقات اور اس طرح کی دیگر جتنی بھی نیکیاں اور عبادات ہیں وہ ادا کی جاسکتی ہیں۔ اس لیے اس مہینے میں اپنی طرف سے کوئی عبادت لازم قرار دینا اور اس کا خصوصی اہتمام کرنا شریعت کے خلاف ہے، اس سے ان حضرات کی غلطی واضح ہو جاتی

ہے کہ جو رجب کی کسی تاریخ یا دن رات سے متعلق خاص نمازیں، روزے یا دیگر عبادات مقرر کر لیتے ہیں اور ان کے بے بنیاد فضائل بیان کرتے ہیں، یاد رہے کہ یہ باتیں دین کی واضح خلاف ورزی اور بہت بڑا گناہ ہے۔اس وضاحت کے بعد اس مبارک مہینے کے اعمال اور بدعات ورسومات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

ماہِ رجب کے روزے:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی کہ اس مہینے میں دیگر عبادات کی طرح روزے رکھنے کی بھی فضیلت ہے، خود حضور ﷺ سے بھی، اسی طرح بعض صحابہ کرام اور تابعین عظام سے بھی اس ماہ میں روزے رکھنا ثابت ہے، اس لیے رجب کے پورے مہینے میں کسی بھی دن روزہ رکھا جا سکتا ہے، عمومی طور پر ہر دن کے روزے کی فضیلت ہے، چنانچہ ہر شخص اپنی وسعت وطاقت کے مطابق پورے مہینے میں جتنے بھی چاہے روزے رکھ سکتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ رجب کے مہینے میں روزہ رکھنے کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں، اور نا ہی معتبر احادیث سے ماہِ رجب کے کسی خاص دن کے روزے کی فضیلت ثابت ہے، اس لیے جو لوگ ستائیس رجب یا کسی اور تاریخ کو روزے کے لیے خاص کر کے اس کے لیے اپنی طرف سے فضائل بیان کرتے ہیں وہ واضح غلطی کا شکار ہیں۔ جیسے آجکل لوگ ستائیس رجب کے روزے کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں، اس کو ہزاری کا روزہ کہتے ہیں، تو اس کی خاص فضیلت معتبر احادیث سے ثابت نہیں، بلکہ یہ رجب کے عام دنوں کی طرح ایک دن ہے، البتہ ان بے بنیاد باتوں سے بچتے ہوئے اگر کوئی شخص ستائیس تاریخ کو رجب کی عام تاریخ سمجھتے ہوئے روزہ رکھ لیتا ہے تو یہ جائز ہے کیوں کہ یہ بھی رجب ہی کا ایک دن ہے۔ ساتھ میں یہ بات بھی واضح رہے کہ رجب میں روزے رکھنا زیادہ سے زیادہ مستحب عمل ہے، اس لیے اس کو ضروری سمجھنا اور اس معاملے میں حدود سے تجاوز کرنا ناجائز ہے۔

(سنن ابی داود حدیث: 2432، فتاویٰ عالمگیریہ، فتح الملہم، امداد الفتاویٰ، فتاویٰ محمودیہ، ماہِ رجب کے فضائل واحکام از مفتی محمد رضوان صاحب)

صحیح مسلم میں ہے:

٢٧٨٢- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، ح: وَحَدَّثَنَا

ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا أَبِى: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ الأَنْصَارِىُّ قَالَ: سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنْ صَوْمِ رَجَبٍ -وَنَحْنُ يَوْمَئِذٍ فِى رَجَبٍ- فَقَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ: لا يُفْطِرُ، وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ: لا يَصُومُ.

شرح مسلم للنووی میں ہے:

الظَّاهِر أَنَّ مُرَاد سَعِيد بْن جُبَيْر بِهَذَا الِاسْتِدْلَال أَنَّهُ لَا نَهْي عَنْهُ، وَلَا نَدْب فِيهِ لِعَيْنِهِ، بَلْ لَهُ حُكْم بَاقِي الشُّهُور، وَلَمْ يَثْبُت فِي صَوْم رَجَب نَهْيٌ وَلَا نَدْبٌ لِعَيْنِهِ، وَلَكِنَّ أَصْلَ الصَّوْمِ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ، وَفِي سُنَن أَبِي دَاوُدَ أَنَّ رَسُول اللهِ ﷺ نَدَبَ إِلَى الصَّوْم مِن الْأَشْهُر الْحُرُم، وَرَجَب أَحَدهَا، وَاللهُ أَعْلَمُ.

کنز العمّال میں ہے:

٢٤٦٠١- عن عطاء: أن عروة قال لعبد الله بن عمر : هل كان رسول الله ﷺ يصوم في رجب؟ قال : نعم ويشرفه.

(أبو الحسن علي ابن محمد بن شجاع الربعي في فضل رجب، ورجاله كلهم ثقات)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

٧٨٥٦- عبد الرزاق عن معمر عن الزهري عن سالم: أن بن عمر كان يصوم أشهر الحرم.

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

٩٣١٥- حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ أَنَّهُ كَانَ يَصُومُ أَشْهُرَ الْحُرُمِ.

٩٣١٦- حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَسَارٍ وَسَلِيطٍ أَخِيهِ قَالا: كَانَ ابْنُ عُمَرَ بِمَكَّةَ يَصُومُ أَشْهُرَ الْحُرُمِ.

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

الْمَرْغُوبَاتُ من الصِّيَامِ أَنْوَاعٌ: أَوَّلُهَا: صَوْمُ الْمُحَرَّمِ، وَالثَّانِي: صَوْمُ رَجَبٍ، وَالثَّالِثُ:

صَوْمُ شَعْبَانَ وَصَوْمُ عَاشُورَاءَ...(کتاب الصوم)

مرقاۃ شرح مشکاۃ میں ہے:

وَأَمَّا حَدِيثُ صَوْمِ رَجَبٍ فَقَالَ بَعْضُ الْحُفَّاظِ: إِنَّهَا مَوْضُوعَةٌ، قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: قَالَ أَئِمَّتُنَا: أَفْضَلُ الْأَشْهُرِ لِصَوْمِ التَّطَوُّعِ الْمُحَرَّمُ، ثُمَّ بَقِيَّةُ الْحُرُمِ: رَجَبٍ وَذِي الْحِجَّةِ وَذِي الْقِعْدَةِ. [بَابُ صِيَامِ التَّطَوُّعِ]

ماہِ رجب کے روزوں سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض روایات سے ماہِ رجب میں روزے رکھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب اس کو حد سے زیادہ اہمیت دی جائے یا ماہِ رجب کی تعظیم میں غلو سے کام لیا جائے اور اسی نیت سے روزے رکھے جائیں، یا اس کو لازم سمجھا جائے، یا مخصوص ایام میں روزے رکھنے کی منگھڑت فضیلت بیان کی جائے، ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں غیر شرعی ہیں۔

(ماہِ رجب کے فضائل واحکام از مفتی محمد رضوان صاحب ودیگر کتب)

ماہِ رجب کے شب وروز کی عبادات:

رجب کے مہینہ کی فضیلت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں عبادات کا اہتمام کیا جائے، یہ عبادات دن کو بھی ادا کی جاسکتی ہیں اور رات کو بھی، اس کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں، بلکہ ہر شخص اپنی وسعت کے مطابق پورے مہینے کے شب وروز میں جس قدر نوافل، ذکر وتلاوت اور دعاؤں وغیرہ کا اہتمام کر سکتا ہے، یہ فضیلت کی بات ہے۔ اسی طرح جن کو رات کے وقت عبادات کا موقع میسر آتا ہے تو وہ جتنی راتیں یا راتوں کا جس قدر حصہ عبادات میں بسر کر سکتا ہے تو یہ بھی سعادت کی بات ہے، البتہ راتوں کو عبادات کا یہ اہتمام مساجد کی بجائے اپنے گھروں میں ہونا چاہیے اور یہی افضل ہے، اس لیے مساجد میں جمع ہو کر راتیں بسر کرنا، اس کو فضیلت دینا یا اس کا اہتمام کرنا شریعت کے مزاج کے موافق نہیں۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ اس مہینے میں کسی بھی دن یا رات سے متعلق کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں، اور نا ہی کوئی خاص عبادت ثابت ہے، بلکہ کوئی بھی عبادت ادا کی جاسکتی ہے، آجکل بعض لوگوں نے ستائیس رجب کے حوالے سے اپنی طرف سے ایک نماز ایجاد کر رکھی ہے کہ دو یا چار

رکعات اس طرح ادا کی جائیں کہ پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد فلاں سورت اتنی بار پڑھی جائے، دوسری رکعت میں فلاں سورت اتنی بار پڑھی جائے تو واضح رہے کہ یہ بھی قرآن وسنت سے ثابت نہیں۔ اس لیے اپنی طرف سے کسی رات سے متعلق فضائل بیان کرنا یا عبادات خاص کرنا شریعت کے خلاف اور بہت بڑا جرم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، ماہِ رجب کے فضائل واحکام)

ماہِ رجب میں کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کرنے کا حکم:

بہت سے لوگ رجب کے مہینے میں بائیس، ستائیس یا کسی اور تاریخ کو خصوصی طور پر کھانے پینے کی چیزیں تیار کر کے محلے والوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کرتے ہیں اور اس کے فضائل اور فوائد بیان کرتے ہیں، یاد رہے کہ ایسا کرنا ناجائز اور بدعت ہیں۔ اس سے بائیس رجب کے کونڈوں کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ لوگ اس تاریخ کو کچھ چاول، میٹھا یا دیگر کھانے پینے کی چیزیں تیار کر کے تقسیم کرتے ہیں تو یہ رسم بھی دین کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، احسن الفتاویٰ، ماہِ رجب کے فضائل واحکام)

ستائیس رجب کے بعض دیگر غیر شرعی اعمال:

- ماہِ رجب کی ستائیس تاریخ کو آتش بازی کرنا، پٹاخے پھاڑنا، جھنڈیاں لگانا، قمقمے لگانا، چراغاں کرنا سراسر ناجائز ہے۔
- بہت سی مساجد میں اس رات خصوصیت کے ساتھ جلسہ منعقد کیا جاتا ہے، مساجد کو سجایا جاتا ہے، رات بھر عمومی اسپیکر کے ذریعے بیان اور نعت خوانی کر کے محلے والوں کی آرام وراحت میں خلل ڈالا جاتا ہے، ماہِ رجب سے متعلق بے بنیاد فضائل بیان کیے جاتے ہیں اور اسی طرح دیگر غیر شرعی امور کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے، تو یاد رہے کہ یہ بھی غیر شرعی کام ہیں۔

(امداد الفتاویٰ، فتاویٰ محمودیہ، کفایت المفتی، اصلاحی خطبات، ماہِ رجب کے فضائل واحکام)

ستائیس رجب اور شبِ معراج:

ماہِ رجب سے متعلق اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس مہینے کی ستائیس تاریخ کو معراج کا واقعہ پیش آیا، اس حوالے سے چند باتیں یادرکھنی ضروری ہیں:

- اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ رات بڑی ہی فضیلت اور سعادت والی تھی جس میں معراج کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا، لیکن معراج کا یہ واقعہ کس مہینے میں اور کس تاریخ کو پیش آیا، اس سے متعلق یقینی طور پر کچھ کہنا بہت ہی مشکل ہے، اس لیے حضرات اکابر کے نزدیک رجب کی 27 تاریخ ہی کو یقینی طور پر شبِ معراج قرار دینا درست نہیں۔
- معراج کا واقعہ جس شب کو پیش آیا اس کے بارے میں قرآن و حدیث سے کسی قسم کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں، اور نا ہی حضور ﷺ اور ان کے صحابہ کرام نے شبِ معراج کا اہتمام کیا ہے، اسی طرح اس رات سے متعلق مخصوص عبادات یا اس طرح کا کوئی بھی عمل معتبر دلائل سے ثابت نہیں۔ اس لیے آجکل لوگوں نے شبِ معراج یا ستائیس رجب سے متعلق جس قدر بھی فضائل اور عبادات ایجاد کی ہیں وہ سب خود ساختہ ہیں، جن سے اجتناب ضروری ہے۔ اسی طرح اس رات کو شبِ معراج قرار دے کر معراج سے متعلق جلسہ منعقد کرنا بھی درست نہیں بلکہ دورِ حاضر میں یہ متعدد مفاسد کا سبب ہے۔
- واقعۂ معراج کی رات کوئی ایسی رات نہیں کہ جس کو ایک تہوار کی صورت دے کر منانے کا اہتمام کیا جائے، بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ اس واقعۂ معراج میں پیش آنے والے واقعات اور مشاہدات سے ہم سبق لیں، اس کے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں، اس پورے واقعہ سے جن اعمال کو کرنے کی اہمیت معلوم ہورہی ہے ان کو سرانجام دینے کی کوشش کی جائے اور جن کاموں سے بچنے کی دعوت دی گئی ہے ان سے بچنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

(احسن الفتاویٰ، اصلاحی خطبات، ماہِ رجب کے فضائل واحکام)

بندہ مبین الرحمٰن

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

دُعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنے سے متعلق
غلط فہمی کے ازالے کے لیے مطالعہ کیجیے

دُعا میں وسیلہ پیش کرنے کا شرعی حکم

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

وسیلہ کی حقیقت:

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے اس کی بارگاہ میں کسی نبی یا ولی کا وسیلہ پیش کرنا بالکل جائز ہے، کہ یوں دعا کی جائے کہ "اے اللہ! حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے ہماری دعا قبول فرما" یا: "امام ابو حنیفہ کے طفیل میری حاجت پوری فرما" یا: "حکیم الامت تھانوی کے صدقے میرے گناہ معاف فرما،" ایسا کرنا جائز بلکہ دعا کی قبولیت کے لیے اہمیت بھی رکھتا ہے، یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ ہمارے اکابر دیوبند کی متفقہ کتاب "المہند علی المفند" میں ہے کہ:

"ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک انبیاء، صلحاء، اولیاء، شہداء اور صدقین کا توسُّل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی جائز ہے اور ان کی وفات کے بعد بھی۔"

اسی طرح حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

وسیلہ کی پوری تفصیل اور اس کی صورتیں میری کتاب "اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم" حصہ اول میں ملاحظہ فرمالیں۔ بزرگوں کو مخاطب کر کے ان سے مانگنا تو شرک ہے، مگر خدا سے مانگنا اور یہ کہنا کہ: "یا اللہ! بطفیل اپنے نیک اور مقبول بندوں کے میری فلاں مراد پوری کر دیجیے،" یہ شرک نہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دعا منقول ہے:

اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا.

ترجمہ: "اے اللہ! ہم آپ کے دربار میں اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ توسل کیا کرتے تھے تو آپ ہمیں بارانِ رحمت عطا فرماتے تھے، اور (اب) ہم اپنے نبی کے چچا (عباس) کے ذریعہ توسل کرتے ہیں تو ہمیں بارانِ رحمت عطا فرما۔"

اس حدیث سے توسل بالنبی ﷺ اور توسل باولیاء اللہ دونوں ثابت ہوئے، جس شخصیت سے توسل کیا جائے اسے بطور شفیع پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل)

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دام ظلہم ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

بیشک اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ دعا مانگنا بھی جائز ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس طرح توسُّل کرے کہ "یا اللہ! آپ کا فلاں بندہ آپ کا مقبول بندہ ہے، مجھے اس سے محبت ہے اور اس محبت کی بنا پر میں اس کا

وسیلہ پیش کرکے آپ سے فلاں چیز مانگتا ہوں'' تو اس میں بھی کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، بلکہ اس کے جواز پر قرآن وسنت سے دلائل موجود ہیں۔ واللہ اعلم (فتاویٰ عثمانی)

البتہ یہ بات تو بالکل ہی واضح ہے کہ بزرگوں کی قبروں کے پاس جاکر ان سے دعائیں مانگنا، ان سے حاجتیں مانگنا تو حرام اور کھلی گمراہی بلکہ شرک ہے، لیکن جس وسیلے کا اوپر ذکر ہوا اس میں اللہ ہی سے حاجتیں مانگیں جاتی ہیں البتہ صرف انبیاء اور اولیاء کا واسطہ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو۔

احادیثِ مبارکہ سے وسیلے کا ثبوت:

وسیلے کی یہ جائز قسم صحیح احادیث سے ثابت ہے، صرف چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

- مسند احمد میں ہے:

١٧٢٤١- حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْمَدِينِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَارَةَ بْنَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ يُحَدِّثُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، ادْعُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَنِي، فَقَالَ: «إِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ ذَلِكَ، فَهُوَ أَفْضَلُ لِآخِرَتِكَ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ لَكَ»، قَالَ: لَا، بَلِ ادْعُ اللهَ لِي. فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ، وَأَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَأَنْ يَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ، إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ فَتَقْضِي، وَتُشَفِّعُنِي فِيهِ، وَتُشَفِّعُهُ فِيَّ. قَالَ: فَكَانَ يَقُولُ هَذَا مِرَارًا. ثُمَّ قَالَ بَعْدُ: أَحْسِبُ أَنَّ فِيهَا: أَنْ تُشَفِّعَنِي فِيهِ. قَالَ: فَفَعَلَ الرَّجُلُ، فَبَرَأَ.

- صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

١٢١٩- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَأَبُو مُوسَى قَالَا: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْمَدَنِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَارَةَ بْنَ خُزَيْمَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ: أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: ادْعُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَنِي، قَالَ: «إِنَّ شِئْتَ أَخَّرْتُ ذَلِكَ، وَهُوَ خَيْرٌ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ»، قَالَ أَبُو مُوسَى: قَالَ: فَادْعُهُ، وَقَالَا: فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ، قَالَ بُنْدَارٌ: فَيُحْسِنُ، وَقَالَا: وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، وَيَدْعُو بِهَذَا الدُّعَاءِ: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ، إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ فَتَقْضِي لِي، اللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ»، زَادَ أَبُو مُوسَى: وَشَفِّعْنِي فِيهِ، قَالَ: ثُمَّ كَأَنَّهُ شَكَّ بَعْدُ فِي: وَشَفِّعْنِي فِيهِ.

ترجمہ: ایک نابینا شخص حضور اقدس ﷺ کے پاس حاضر ہوااور کہنے لگا کہ اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی ٹھیک کردے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اسی پر صبر کرلو، یا چاہو تو آپ کے لیے دعا کرلیتا ہوں۔ تو اس شخص نے کہا کہ اللہ کے رسول! میرے لیے دعا فرمائیں۔ تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ وضو کرکے دو رکعات نماز پڑھ کر یہ دعا کریں:

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں تیرے نبی محمد ﷺ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔" اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا عطا فرمائی۔

- صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دعا منقول ہے:

اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا.

ترجمہ: "اے اللہ! ہم آپ کے دربار میں اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ توسُّل کیا کرتے تھے تو آپ ہمیں بارانِ رحمت عطا فرماتے تھے، اور (اب) ہم اپنے نبی کے چچا (عباس) کے ذریعہ توسل کرتے ہیں تو ہمیں بارانِ رحمت عطا فرما۔

١٠١٠- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ: اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا. قَالَ: فَيُسْقَوْنَ.

وسیلے سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ:

بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ وسیلہ دل میں یہ شک پیدا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان بزرگوں کا مقام مجھ سے زیادہ ہے جبکہ میں بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کا بندہ ہوں، تو پھر وسیلے کی کیا ضرورت ہے؟؟ تو اس حوالے سے چند باتیں عرض ہیں:

- وسیلہ جب صحیح دلائل سے ثابت ہے تو اس کو تسلیم کرلینا چاہیے، اس میں عقلی گھوڑے دوڑا کر شبہ نہیں کرنا چاہیے، یہی احادیث پر عمل کرنے کا تقاضا ہے۔

- دعا میں وسیلہ پیش کرنا کوئی ضروری نہیں کہ اس کے بغیر دعا قبول نہ ہوتی ہو، یہ تو اختیاری معاملہ ہے، اگر کوئی اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش نہ بھی کرے تب بھی کوئی حرج نہیں البتہ اپنا نظریہ درست رکھے کہ وسیلہ پیش کرنا جائز ہے۔
- وسیلے کا مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ بندہ کو اپنا آپ اور اپنے نیک اعمال اس قابل نظر نہیں آتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جاسکیں، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ کی جاسکے، تو ایسے میں اللہ کی رحمت متوجہ کرنے کے لیے مقدس شخصیات کا وسیلہ پیش کیا جاتا ہے کیوں کہ ان مقدس ہستیوں سے اللہ خصوصی محبت فرماتے ہیں، تو ان کی برکت سے بندے کی حاجتیں پوری ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ گویا وسیلہ پیش کرنے والا اپنی عاجزی اور تواضع کے پیشِ نظر اپنے آپ کو اور اپنے اعمال کو کچھ نہیں سمجھتا، بلکہ حقیر سمجھتا ہے، اور یہی بندگی کی معراج ہے، یہی عبدیت کا تقاضا ہے۔ اس پہلو کو دیکھتے ہوئے وسیلہ پیش کرنا ایک بہتر عمل ٹھہرتا ہے۔
- وسیلے میں معاملہ ان مقدس ہستیوں کا ہے جو ہماری نگاہوں میں اللہ کی بارگاہ میں ممتاز مقام رکھتی ہیں، اور یہ بات تو واضح ہے کہ ان حضرات کا مقام ہم سے بلند تر ہی ہے، اور ہم ان کے قدموں کی خاک بھی نہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں اپنے آپ کو حقیر اور عاجز سمجھنا ہی اصل بندگی ہے، جو اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے تو اتنا ہی بندگی کے تقاضوں سے دور ہے۔

بندہ مبین الرحمٰن

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

18 محرم 1439/ 9 اکتوبر 2017

گمراہی میں مبتلا طبقات کے بیانات سننے اور ان کے جلسوں میں شریک ہونے والے مسلمان بھائیوں کے لیے عقائد کے تحفظ پر مبنی ایک مختصر رسالہ

اپنے عقائد کا تحفُّظ کیجیے!!

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

پُر فِتَن دور اور ہماری ذمہ داری:

اس فتنوں کے دور میں مسلمانوں کو طرح طرح کے فتنوں کا سامنا ہے، کہیں مسلمانوں کو ایمان جیسی لازوال نعمت سے محروم کرنے کی کوششیں جاری ہیں، کہیں مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں، کہیں اخلاقی فتنوں میں مبتلا کیا جا رہا ہے، الغرض فتنوں کا ایک سیلاب ہے جو مسلمانوں کو صراط مستقیم کے متاعِ گراں مایہ سے محروم کیے جا رہا ہے، ایسے میں ہر مسلمان کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنے ایمان، عقائد، اعمال اور اخلاق کی بھرپور حفاظت کرے اور اس بارے میں کسی قسم کی غفلت کا مظاہرہ نہ کرے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ وابستگی کی اہمیت:

ایک مسلمان کے لیے ایمان کے بعد اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ وابستگی نہایت ہی ضروری ہے، اسی میں اس کے ایمان اور عقائد کا تحفظ ہے، جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ سے انحراف گمراہی ہے۔ اس رسالے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مسلمان اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ وابستگی رکھتے ہوئے اپنے عقائد کا تحفظ کریں اور ہر قسم کی کھلی اور پوشیدہ گمراہی سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔

عقیدہ کی تعریف:

عقائد سے مراد دین و مذہب سے متعلق وہ باتیں ہیں جو دل میں جَمالی جائیں اور اعمال کی بنیاد ہوں اور ان پر نجات اور کامیابی کا دار و مدار سمجھا جاتا ہو۔ عقیدہ کی جمع عقائد ہے۔

عقائد کی اقسام:

ضروری عقائد کی دو قسمیں ہیں:

1۔ عقائد کی ایک قسم تو وہ ہے جو مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، جیسے عقیدہ توحید، رسالت، عقیدہ آخرت اور ختمِ نبوت وغیرہ۔

2۔ عقائد کی دوسری قسم وہ ہے جو حق جماعت یعنی اہل السنۃ والجماعۃ میں شامل ہونے کے لیے ضروری ہے

کہ اگر کوئی شخص ان کے خلاف عقیدہ رکھے گا تو وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہو کر گمراہ قرار پائے گا۔ اس لیے دونوں قسم کے عقائد کو سمجھنا اور ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ ہی حق جماعت ہے:

سنن الترمذی کی حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل 72 فرقوں میں بٹے تھے، جبکہ اس امت میں 73 فرقے بنیں گے، ان میں ایک کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ ایک فرقہ کون سا ہوگا؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''ماانا علیہ واصحابی'' یعنی جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔

٢٦٤١- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادٍ الأَفْرِيقِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بني إسرائيل حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بني إسرائيل تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً»، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي».

اس حدیث کی روشنی میں چند باتیں سمجھنے کی ہیں:

- اس امت میں 73 فرقے بنیں گے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امت میں موجود تمام فرقے حق پر نہیں ہو سکتے۔
- اس سے ان حضرات کی غلطی بھی معلوم ہوگئی جو یہ سمجھتے ہیں کہ تمام فرقے غلط ہیں اس لیے کسی بھی فرقے کو نہیں ماننا چاہیے بلکہ ہم صرف مسلمان ہیں، یہ بات اس لیے درست نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے واضح فرمادیا کہ ایک جماعت حق پر ہوگی، تو اسی جماعت کے ساتھ وابستگی ضروری ہے۔
- اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بعد گمراہی سے بچتے ہوئے حق جماعت کے ساتھ وابستگی نہایت ہی ضروری ہے، یہی اس کی کامیابی اور نجات ہے، جبکہ اس سے غفلت کے نتیجے

میں یہ قوی اندیشہ ہے کہ وہ گمراہ فرقوں میں شامل ہو کر اس حدیث کی وعید کا مصداق بن جائے۔

- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حق جماعت کے علاوہ باطل عقیدے ایجاد کرنا نہایت ہی سنگین جرم ہے بلکہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ حق عقائد ہی کے ساتھ وابستہ رہے۔
- اس حدیث سے فرقہ واریت کی نہایت ہی مذمت ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان حق جماعت کا دامن تھامے رکھیں اور نئے فرقے ایجاد کرنے سے بچیں۔
- یہ تمام فرقے اسلام میں داخل ہوں گے البتہ اپنے گمراہ کن عقائد کی وجہ سے گمراہ ہوں گے، جس کی سزا انھیں ملے گی اور پھر بالآخر ایمان کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ البتہ جو کفر یا شرک میں مبتلا ہو جائے تب تو کفر کا حکم لاگو ہوگا۔
- اس حدیث میں اس حق جماعت کی علامت بھی بیان فرمادی کہ جو ”میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہو۔“ اسی سے اس حق جماعت کا نام بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا نام ”اہل السنۃ والجماعۃ“ ہے، اس نام میں سنت سے مراد حضور ﷺ کی سنت ہے جبکہ جماعت سے مراد حضرات صحابہ کی جماعت ہے، گویا کہ یہ نام اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔
- یہ نام حضرت ابن عباس سے بھی ثابت ہے، سورتِ آل عمران آیت نمبر 106 کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے چہرے روشن ہوں گے اور بدعتی اور گمراہ لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے، ملاحظہ فرمائیں:
  - تفسير ابن أبي حاتم:

٣٩٥٠: عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله: «يوم تبيض وجوه وتسود وجوه» قال: تبيض وجوه أهل السنة والجماعة...

٣٩٥١: وبه عن ابن عباس رضي الله عنهما: «وتسود وجوه» قال: تسود أهل البدع والضلالة.

○ تفسیر ابن کثیر:

وقوله تعالى: «يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ» يعني: يوم القيامة، حين تبيض وجوه أهل السنة والجماعة، وتسودّ وجوه أهل البِدْعَة والفرقة، قاله ابن عباس رضي الله عنهما.

اس تفصیل سے ہر مسلمان کے لیے اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ مضبوط وابستگی کی اہمیت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

دین سیکھنے کے لیے کس کا انتخاب کیا جائے؟

دین سیکھنا انتہائی نازک معاملہ ہے، اس میں جس قدر بھی احتیاط کی جائے کم ہے، اس لیے دین سیکھنے کے لیے کسی ایسے ماہر مفتی صاحب کا انتخاب کرنا چاہیے جن کے علم و عمل اور خوفِ خدا پر اعتماد واطمینان ہو، جن کو دینی علوم میں مطلوبہ مہارت حاصل ہو، جن کو تفقہ فی الدین کی دولت حاصل ہو، جن کا تعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ ہو۔ اس لیے یہ یاد رکھیے:

دِین سیکھنے میں نہایت ہی احتیاط کیجیے!

جلیل القدر تابعی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ.

(صحیح مسلم مقدمہ روایت: 26)

ترجمہ: یہ علم، دین ہے، اس لیے تحقیق کر لیا کرو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

معلوم ہوا کہ کسی کا بیان سننے، کسی سے مسئلہ پوچھنے اور دینی تعلیمات حاصل کرنے سے پہلے اس کے عقائد و نظریات کی درستی اور علم و عمل کی پختگی سے متعلق اطمینان کر لینا چاہیے کیوں کہ بات تبھی معتبر ہو سکتی ہے جب شخصیت معتبر ہوتی ہے۔

اس سے بخوبی معلوم ہوا کہ دین ہر ایک سے نہیں سیکھنا چاہیے، آجکل لوگ دین سیکھنے میں بالکل ہی احتیاط نہیں کرتے، یہ نہیں دیکھتے کہ جن سے دین سیکھا جا رہا ہے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ تعلق

رکھتا ہے یا نہیں، مستند عالم ہے بھی یا نہیں، بلکہ ہر ایک سے پوچھ لیتے ہیں جو کہ سنگین غلطی ہے، بلکہ دین کو اہمیت نہ دینے کی دلیل ہے، یادرہے کہ اگر لوگ دین سیکھنے میں احتیاط سے کام لیں تو صحیح دین ہی پھیلے گا اور غلط باتیں خود بخود ختم ہوتی جائیں گی۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جب ہم دنیوی معاملات میں ماہرین ہی سے راہنمائی لیتے ہیں، صحت خراب ہو جائے تو اچھے سے اچھے اور کسی ماہر سے علاج کرانے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ اگر ایسا ڈاکٹر علاقے میں میسر نہ ہو تو اس کے لیے دور دراز کا سفر بھی کرتے ہیں، جب دنیوی امور میں ماہرین کی اہمیت کا یہ عالم ہے تو پھر دین میں ماہرین سے دین سیکھنے کی اہمیت اس سے بھی بڑھ کر ہونی چاہیے۔

(تفصیلات کے لیے دیکھیے: وعظ: جلاء القلوب از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ)

ایک عمومی غلط فہمی کا ازالہ:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو اس لیے گمراہ لوگوں کے بیانات سنتے ہیں تاکہ ہم صحیح بات کو لے لیں اور غلط بات کو چھوڑ دیں۔ یادرہے کہ یہ واضح غلط فہمی ہے کیوں کہ حق و باطل اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کے لیے علم کی ضرورت ہوا کرتی ہے، اور بغیر علم کے یہ صفت پیدا ہی نہیں ہو سکتی، اور علم جب حاصل ہی نہ کیا ہو تو گمراہ لوگوں کے بیانات میں حق و باطل کا فیصلہ کیسے کر پائیں گے؟؟

عوام کا اعتقادی تحفظ اور اہلِ علم کی ذمہ داری:

اہلِ علم کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عوام کے عقیدے کا تحفظ کریں، ان کو صحیح عقائد کا درس دیں، ان کو ہر قسم کی گمراہی سے بچنے کی تلقین کریں، ان کو اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ وابستہ رہنے کی تاکید کریں اور فرقہ واریت کی گمراہی سے بچائیں۔ اور ہر اس قول و عمل سے اجتناب کریں جس کی وجہ سے عوام کے عقیدے میں بگاڑ پیدا ہو، وہ گمراہی کا شکار ہوں یا اہل السنۃ والجماعۃ سے متعلق تذبذب میں مبتلا ہوں۔

اہلِ علم کا گمراہ طبقات کے جلسوں میں شرکت کرنا:

اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ اہلِ علم اور مقتدیٰ حضرات کے لیے گمراہ فرقوں کے جلسوں میں شرکت کرنا کسی طرح مناسب نہیں بلکہ یہ متعدد خرابیوں کا سبب ہے۔

نوٹ: امت کے اجتماعی مفاد کی رعایت جیسے مخصوص حالات کا معاملہ اور حکم مختلف ہے جس سے مستند مفتیان کرام اور حضرات اکابر بخوبی واقف ہیں۔

اہلِ علم کے لیے گمراہ طبقات کے جلسوں میں شرکت سے احتیاط کرنے کی وجوہات

- **یہ تعاوُن علی الاِثم کی ایک صورت ہے:**

اہل علم کا گمراہ فرقوں کے جلسوں میں شرکت کرنا غیر شرعی کام میں تعاون کے زمرے میں آتا ہے کیوں کہ گمراہ فرقوں کے جلسوں میں شرکت کرنے سے ان کو تقویت ملتی ہے، جس کی وجہ سے انھیں اپنے گمراہ کن عقائد کے پرچار کرنے میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

عوام کے عقائد بگڑنے کا اندیشہ ہے:

گمراہ فرقوں کے جلسوں میں شرکت کرنے کی وجہ سے عوام کے عقیدے بگڑنے کا اندیشہ ہے کہ جب عوام دیکھتے ہیں کہ ہمارے اہلِ علم ان کے جلسوں میں شریک ہوتے ہیں تو عوام بھی ان کے بیانات اور دروس وغیرہ میں شریک ہونے میں حرج محسوس نہیں کرتے، جس کے باعث ان کے عقائد کا بگاڑ ظاہر سی بات ہے۔

عوام تذبذب کا شکار ہوتے ہیں:

گمراہ فرقوں کے جلسوں میں شرکت کرنے کی وجہ سے عوام اہل السنۃ والجماعۃ سے متعلق تذبذب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ اہلِ حق اور اہلِ ضلالت کے مابین فرق نہیں کر پاتے۔

اہلِ علم کا اختلاف وجود پاتا ہے:

جب اہلِ علم اس معاملے میں فریق بن جائیں گے کہ بعض تو ان کو گمراہ قرار دیتے ہیں اور ان کے

بیانات سننے سے منع کرتے ہیں، جبکہ دیگر بعض ان کے ساتھ جلسوں میں شریک ہوتے ہیں تو یہ اختلاف عوام کے لیے مزید نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

غلط عقیدے اور گمراہ فرقے کی تائید ہوتی ہے:

گمراہ فرقوں کے جلسوں میں شرکت کرنے سے غلط عقیدے اور گمراہ فرقے کی صورتاً تائید ہوتی ہے جو کہ بذاتِ خود مذموم عمل ہے۔

اہلِ حق کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے:

جو اہلِ حق معتدل انداز میں فرقہ واریت کے خلاف مصروفِ عمل ہیں اور عوام کے عقائد کا تحفظ کر رہے ہیں یہ عمل ان کی راہ میں رکاوٹ بننے کے مترادف ہے۔

یہ بُغض فی اللہ کے خلاف ہے:

گمراہ طبقات کے جلسوں میں شرکت کر کے اہلِ بدعت اور گمراہ لوگوں کی عزت افزائی، حوصلہ افزائی اور تعظیم ہوتی ہے جو کہ بغض فی اللہ کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔

گمراہ لوگوں کی وقعت عوام کے دلوں میں پیدا ہونا:

گمراہ طبقات کے جلسوں میں شرکت کرنے کے نتیجے میں عوام کے دلوں میں گمراہ لوگوں کی وقعت اور اہمیت پیدا ہوتی ہے جو کہ اپنی ذات میں مذموم ہونے کے ساتھ ساتھ عوام کے لیے شدید نقصان دہ ہے۔

عقائد کے تحفظ کی اہمیت دلوں سے ختم ہونے کا اندیشہ:

گمراہ طبقات کے جلسوں میں شرکت کرنے کے نتیجے میں عوام کے دلوں میں اپنے صحیح عقائد کے تحفظ کی اہمیت کم سے کم ہوتی چلی جائے گی، جس کا نقصان دہ ہونا ظاہر ہے۔

امت کے نظریاتی تحفظ کی چند مثالیں:

نماز کے بعد سجدہ شکر کی کراہت:

احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کو جب کوئی خوشخبری ملتی تو سجدہ شکر ادا فرماتے:

سنن ابن ماجه:

١٣٩٤: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْخُزَاعِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ السُّلَمِيُّ قَالا: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ بَكَّارِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَتَاهُ أَمْرٌ يَسُرُّهُ أَوْ بُشِّرَ بِهِ خَرَّ سَاجِدًا؛ شُكْرًا لِلَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى.

اس لیے خوشی کے موقع پر سجدہ شکر ادا کرنا مستحب قرار دیا گیا ہے، البتہ نماز کے بعد سجدہ شکر ادا ادا کرنے کو حضرات فقہائے کرام نے مکروہ قرار دیا ہے کیوں کہ ناواقف عوام اس کو نماز کا حصہ یا نماز کے بعد ایک سنت یا مستحب عمل سمجھ لیں گے جو کہ دین میں زیادتی شمار ہو گی اور ظاہر ہے کہ بدعت بن جانے کے اندیشہ سے اس کو نماز کے بعد ادا کرنا مکروہ قرار دینا ہی بہتر ہے تاکہ دینی اعتبار سے عوام کا نظریاتی اور عملی تحفظ ہو سکے۔

در مختار میں ہے:

وَسَجْدَةُ الشُّكْرِ مُسْتَحَبَّةٌ بِهِ يُفْتَى، لَكِنَّهَا تُكْرَهُ بَعْدَ الصَّلَاةِ؛ لِأَنَّ الْجَهَلَةَ يَعْتَقِدُونَهَا سُنَّةً أَوْ وَاجِبَةً وَكُلُّ مُبَاحٍ يُؤَدِّي إِلَيْهِ فَمَكْرُوهٌ.

ردالمحتار میں ہے:

(قَوْلُهُ لَكِنَّهَا تُكْرَهُ بَعْدَ الصَّلَاةِ) الضَّمِيرُ لِلسَّجْدَةِ مُطْلَقًا. قَالَ فِي «شَرْحِ الْمُنْيَةِ» آخِرَ الْكِتَابِ عَنْ شَرْحِ الْقُدُورِيِّ لِلزَّاهِدِيِّ: أَمَّا بِغَيْرِ سَبَبٍ فَلَيْسَ بِقُرْبَةٍ وَلَا مَكْرُوهٍ، وَمَا يُفْعَلُ عَقِيبَ الصَّلَاةِ فَمَكْرُوهٌ؛ لِأَنَّ الْجُهَّالَ يَعْتَقِدُونَهَا سُنَّةً أَوْ وَاجِبَةً، وَكُلُّ مُبَاحٍ يُؤَدِّي إِلَيْهِ فَمَكْرُوهٌ، انْتَهَى.

وَحَاصِلُهُ: أَنَّ مَا لَيْسَ لَهَا سَبَبٌ لَا تُكْرَهُ مَا لَمْ يُؤَدِّ فِعْلُهَا إلَى اعْتِقَادِ الْجَهَلَةِ سُنِّيَّتَهَا كَالَّتِي يَفْعَلُهَا بَعْضُ النَّاسِ بَعْدَ الصَّلَاةِ...(قَوْلُهُ: فَمَكْرُوهٌ) الظَّاهِرُ أَنَّهَا تَحْرِيمِيَّةٌ لِأَنَّهُ يُدْخِلُ فِي الدِّينِ مَا لَيْسَ مِنْهُ ط. (باب سجود التلاوة)

دیکھیے ایک مستحب عمل کو بھی عوام کے نظریاتی اور عملی بگاڑ سے تحفظ کی خاطر نماز کے بعد مکروہ قرار دیا گیا۔

نماز میں تعیینِ سورت کی کراہت:

نماز میں بعض سورتوں کو متعین کرنے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے کیوں کہ ایک تو اس سے دیگر سورتوں کا ترک لازم آتا ہے اور دوم یہ کہ لوگ کہیں ان کو لازم اور مخصوص نہ سمجھ لیں کہ فلاں نماز میں فلاں سورت کا پڑھنا ضروری ہے، اور مخصوص نمازوں میں جو مخصوص سورتیں پڑھنا احادیث سے ثابت ہے ان کو بھی کبھی کبھی ترک کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے تاکہ لوگ نظریاتی بگاڑ کا شکار نہ ہوں۔

در مختار میں ہے:

(وَيُكْرَهُ التَّعْيِينُ) كَالسَّجْدَةِ وَ«هَلْ أَتَى» [الإنسان: ١] لِفَجْرِ كُلِّ جُمُعَةٍ، بَلْ يُنْدَبُ قِرَاءَتُهُمَا أَحْيَانًا.

ردالمحتار میں ہے:

أَقُولُ: عَلَى أَنَّهُ فِي غَايَةِ الْبَيَانِ لَمْ يُصَرِّحْ بِالتَّعْمِيمِ الْمَذْكُورِ. وَأَيْضًا فَإِنَّ إيهَامَ هَجْرِ الْبَاقِي يَزُولُ بِقِرَاءَتِهِ فِي صَلَاةٍ أُخْرَى. وَأَيْضًا ذَكَرَ فِي وِتْرِ الْبَحْرِ عَنْ «النِّهَايَةِ» أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَقْرَأَ سُورَةً مُتَعَيِّنَةً عَلَى الدَّوَامِ لِئَلَّا يَظُنَّ بَعْضُ النَّاسِ أَنَّهُ وَاجِبٌ اهـ فَهَذَا يُؤَيِّدُ مَا فِي الْفَتْحِ أَيْضًا. هَذَا، وَقَيَّدَ الطَّحَاوِيُّ والإسبيجابي الْكَرَاهَةَ بِمَا إذَا رَأَى ذَلِكَ حَتْمًا لَا يَجُوزُ غَيْرُهُ؛ أَمَّا لَوْ قَرَأَهُ لِلتَّيْسِيرِ عَلَيْهِ أَوْ تَبَرُّكًا بِقِرَاءَتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَلَا كَرَاهَةَ، لَكِنْ بِشَرْطِ أَنْ يَقْرَأَ غَيْرَهَا أَحْيَانًا لِئَلَّا يَظُنَّ الْجَاهِلُ أَنَّ غَيْرَهَا لَا يَجُوزُ. وَاعْتَرَضَهُ فِي الْفَتْحِ بِأَنَّهُ لَا تَحْرِيرَ فِيهِ، لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي

الْمُدَاوَمَةِ. اهـ. وَأَقُولُ: حَاصِلُ مَعْنَى كَلَامِ هَذَيْنِ الشَّيْخَيْنِ بَيَانُ وَجْهِ الْكَرَاهَةِ فِي الْمُدَاوَمَةِ وَهُوَ أَنَّهُ إنْ رَأَى ذَلِكَ حَتْمًا يُكْرَهُ مِنْ حَيْثُ تَغْيِيرُ الْمَشْرُوعِ وَإِلَّا يُكْرَهُ مِنْ حَيْثُ إيهَامُ الْجَاهِلِ، وَبِهَذَا الْحَمْلِ يَتَأَيَّدُ أَيْضًا كَلَامُ الْفَتْحِ السَّابِقِ: وَيَنْدَفِعُ اعْتِرَاضُهُ اللَّاحِقُ، فَتَدَبَّرْ. [فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ]

سبع عشرہ کی قرأت اور ناواقف عوام:

ہمارے دیار میں امام عاصم رحمہ اللہ کا طرزِ قرأت رائج ہے، جبکہ سبع عشرہ کے اصولِ قرأت میں بھی تلاوت کرنا جائز ہے، البتہ ناواقف عوام کے سامنے صرف مروجہ قرأت ہی اختیار کرنا بہتر ہے تاکہ عوام غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

ردالمحتار میں ہے:

وَيَجُوزُ بِالرِّوَايَاتِ السَّبْعِ، لَكِنْ الْأَوْلَى أَنْ لَا يَقْرَأَ بِالْغَرِيبَةِ عِنْدَ الْعَوَامّ صِيَانَةً لِدِينِهِمْ. (قَوْلُهُ: وَيَجُوزُ بِالرِّوَايَاتِ السَّبْعِ) بَلْ يَجُوزُ بِالْعَشْرِ أَيْضًا كَمَا نَصَّ عَلَيْهِ أَهْلُ الْأُصُولِ ط (قَوْلُهُ: بِالْغَرِيبَةِ) أَيْ بِالرِّوَايَاتِ الْغَرِيبَةِ وَالْإِمَالَاتِ لِأَنَّ بَعْضَ السُّفَهَاءِ يَقُولُونَ مَا لَا يَعْلَمُونَ فَيَقَعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالشَّقَاءِ، وَلَا يَنْبَغِي لِلْأَئِمَّةِ أَنْ يَحْمِلُوا الْعَوَامَّ عَلَى مَا فِيهِ نُقْصَانُ دِينِهِمْ، وَلَا يَقْرَأُ عِنْدَهُ قِرَاءَةَ أَبِي جَعْفَرٍ وَابْنِ عَامِرٍ وَعَلِيِّ بْنِ حَمْزَةَ وَالْكِسَائِيِّ صِيَانَةً لِدِينِهِمْ فَلَعَلَّهُمْ يَسْتَخِفُّونَ أَوْ يَضْحَكُونَ وَإِنْ كَانَ كُلُّ الْقِرَاءَاتِ وَالرِّوَايَاتِ صَحِيحَةً فَصِيحَةً، وَمَشَايِخُنَا اخْتَارُوا قِرَاءَةَ أَبِي عَمْرٍو وَحَفْصٍ عَنْ عَاصِمٍ اهـ مِن التَّتَارْخَانِيَّة عَنْ فَتَاوَى الْحُجَّةِ.

[فُرُوعٌ: قَرَأَ بِالْفَارِسِيَّةِ أَو التَّوْرَاةِ أَو الْإِنْجِيلِ]

باجماعت نماز کے بعد مصافحہ کا رواج:

جب بعض علاقوں میں باجماعت نماز کے بعد مصافحہ کا رواج ہوا اور لوگ اس کا اہتمام کرنے لگے تو حضرات فقہائے کرام نے اس سے منع فرمایا کیوں کہ اس سے یہ تاثُّر سامنے آتا ہے کہ یہ مصافحہ نماز

کے بعد سنت یا مستحب ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

وَقَدْ صَرَّحَ بَعْضُ عُلَمَائِنَا وَغَيْرُهُمْ بِكَرَاهَةِ الْمُصَافَحَةِ الْمُعْتَادَةِ عَقِبَ الصَّلَوَاتِ مَعَ أَنَّ الْمُصَافَحَةَ سُنَّةٌ، وَمَا ذَاكَ إلَّا لِكَوْنِهَا لَمْ تُؤْثَرْ فِي خُصُوصِ هَذَا الْمَوْضِعِ، فَالْمُوَاظَبَةُ عَلَيْهَا فِيهِ تُوهِمُ الْعَوَّامَ بِأَنَّهَا سُنَّةٌ فِيهِ.

[مطلب فِي دفن الْمَيِّت]

ایسے امور میں احتیاطی پہلو:

اگر غور کیا جائے تو احتیاطی پہلو یہی ہے کہ عوام کے عقائد کے تحفظ کی خاطر گمراہ فرقوں کے جلسوں میں شرکت کرنے سے اجتناب کیا جائے، اس میں بڑی خیر ہے۔

مفسر قرآن حضرت اقدس مولانا منظور احمد نعمانی صاحب دام ظلہم العالی کا فرمان:

مفسر قرآن حضرت اقدس مولانا منظور احمد نعمانی صاحب دام ظلہم العالی فرماتے ہیں:

مولانا عبد الغنی جاجروی میرے استاد تھے لیکن میں کبھی بھی اپنے اساتذہ واکابر میں ان کا ذکر نہیں کرتا کہ کہیں غلط عقیدے کی تائید نہ ہو جائے۔(مجلہ صفدر گجرات شمارہ نمبر 40، جون 2014)

اس سے ان کے استاد ہونے کی نفی یا ان کی کسی قسم کی بے ادبی ہرگز مقصود نہیں بلکہ اس کا مقصد عوام کے عقیدے کا تحفظ ہے، جو کہ واضح ہے۔

شیخ و مرشد عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ کا واقعہ:

ہمارے شیخ و مرشد عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ کو ایک معروف عالم نے اپنے مدرسہ کی تکمیلِ بخاری کی دعوت دی اور ساتھ میں ظہرانے کی بھی دعوت دی، حضرت والا نے بخوشی قبول فرمالی، اس دوران حضرت والا کو علم ہوا کہ ان مولانا نے اپنے ایک مقالے میں مولانا مودودی صاحب کی تعریف کی ہے، تو حضرت نے فرمایا کہ ”ایسے عالم کے مدرسے میں ہرگز نہیں جاؤں گا

جو صحابہ کرام کی گستاخی کرنے والوں کی تائید کرتا ہے، میں اس کے ہاں ایک گھونٹ پانی پینے کے لیے بھی تیار نہیں ہوں۔" چنانچہ جب وہ عالم حضرت والا کو لینے کے لیے آئے تو حضرت نے منع فرمادیا اور وجہ بھی بتلادی تو اصرار کے بعد وہ مولانا مایوس ہو کر چلے گئے۔

(مجلہ صفدر گجرات شمارہ 39، مئی 2014 بحوالہ سہ ماہی فغان اختر اشاعت خاص)

اہلِ بدعت اور گمراہ لوگوں سے متعلق حدیث

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دین میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہو، فرشتوں کی لعنت ہو اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔

سنن ابی داود میں ہے:

٤٥٣٢ - مَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.

گمراہ لوگوں سے اجتناب سے متعلق امت کے جلیل القدر ائمہ کے فرمودات

- امام ابو اسحاق ہمدانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تو اس نے اسلام کو ڈھانے میں اس کی مدد کی۔
- ایک بدعتی نے امام ایوب رحمہ اللہ سے کہا کہ مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے، تو وہ وہاں سے روانہ ہوئے اور فرمایا کہ آدھی بات پوچھنے کی بھی اجازت نہیں۔
- گمراہی میں مبتلا دو آدمی امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کو ایک حدیث سناتے ہیں، تو انھوں نے فرمایا کہ نہیں، پھر انھوں نے کہا کہ ہم ایک آیت سنانا چاہتے ہیں، تو انھوں نے فرمایا کہ نہیں، تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ تو میں چلا جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔
- امام یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب راستے میں کسی بدعتی سے تمہارا سامنا ہو تو راستہ بدل دو۔

- امام ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گمراہ لوگوں کے پاس نہ بیٹھا کرو کیوں کہ مجھے خدشہ ہے کہ وہ تمھیں گمراہی میں مبتلا کر دیں گے یا صحیح عقائد تمہاری نگاہوں میں مشکوک کر دیں گے۔
- امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے تو اس کو تین باتوں میں سے کسی ایک بات کا سامنا ضرور ہوتا ہے: یا تو وہ کسی اور کے لیے فتنہ بنے گا، یا اس کے دل میں کوئی ایسی بات پڑ جائے گی جس سے وہ پھسل کر گمراہ ہو جائے گا اور اللہ اس کو جہنم میں داخل کر دے گا، یا وہ یہ کہے گا کہ مجھے تو ان کی باتوں کی پروا نہیں، مجھے تو اپنے آپ پر اطمینان ہے۔ تو جو شخص ایک لمحے کے لیے بھی اپنے دین کے بارے میں اللہ سے بے خوف ہو جائے تو خدشہ ہے کہ اللہ اس سے دین چھین لے۔
- امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدعتی کے پاس نہ بیٹھا کرو کیوں کہ یہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا۔
- خویل کہتے ہیں کہ میں امام یونس بن عبید کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ آپ ہمیں عمرو بن عبید کے پاس بیٹھنے سے منع کرتے ہیں حالاں کہ آپ کا بیٹا ان کے پاس بیٹھتا ہے، اس دوران ان کا بیٹا بھی آ گیا، تو امام یونس نے بیٹے سے کہا کہ تم عمرو بن عبید کے بارے میں میری رائے سے واقف ہو لیکن اس کے باوجود بھی تم ان کے پاس جاتے ہو، تو بیٹے نے کہا کہ میں فلاں کے ساتھ گیا تھا، تو امام یونس نے بیٹے سے فرمایا کہ میں تمہیں زنا، چوری اور شراب نوشی سے منع کرتا ہی رہتا ہوں، لیکن اگر تم ان گناہوں میں مبتلا ہو کر اللہ کے پاس جاؤ تو یہ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے اس بات سے کہ تم عمرو بن عبید کے مذہب پر ہو کر اللہ کے پاس جاؤ۔

- كتاب القدر لأبي بكر جعفر بن محمد بن الحسن بن المُسْتَفاض الفِرْيابِي:

٣٨١ - حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ سَيْفٍ: حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْكَرْمَانِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَّ أَبَا إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيَّ يَقُولُ: مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ.

٣٧٤ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ: حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ الْبِدَعِ أَيُّوبَ فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ، أَسْأَلُكَ عَنْ كَلِمَةٍ، قَالَ: فَوَلَّى أَيُّوبُ وَهُوَ يَقُولُ: «وَلَا نِصْفُ كَلِمَةٍ وَلَا نِصْفُ كَلِمَةٍ».

٣٧٣ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَدِّي أَسْمَاءَ يُحَدِّثُ قَالَ: دَخَلَ رَجُلَانِ عَلَى مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ مِنْ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ فَقَالَا: يَا أَبَا بَكْرٍ، نُحَدِّثُكَ بِحَدِيثٍ، قَالَ: لَا، قَالَا: فَنَقْرَأُ عَلَيْكَ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللهِ، قَالَ: لَا، لَتَقُومَانِ عَنِّي أَوْ لَأَقُومَنَّ، فَقَامَ الرَّجُلَانِ فَخَرَجَا.

٣٧٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْأَصْبَغِ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: «إِذَا لَقِيتَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فِي طَرِيقٍ فَخُذْ فِي غَيْرِهِ».

٣٧٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: لَا تُجَالِسُوا أَهْلَ الْأَهْوَاءِ؛ فَإِنِّي لَا آمَنُ أَنْ يَغْمِسُوكُمْ فِي ضَلَالَتِهِمْ أَوْ يَلْبِسُوا عَلَيْكُمْ بَعْضَ مَا يَعْرِفُونَ.

○ البدع والنهي عنها لأبي عبد الله محمد بن وضاح بن بزيع المرواني القرطبي:

١١١٦ - عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ قَالَ: مَنْ جَالَسَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ لَمْ يَسْلَمْ مِنْ إِحْدَى ثَلَاثٍ: إِمَّا أَنْ يَكُونَ فِتْنَةً لِغَيْرِهِ، وَإِمَّا أَنْ يَقَعَ فِي قَلْبِهِ شَيْءٌ فَيَزِلَّ بِهِ فَيُدْخِلَهُ اللهُ النَّارَ، وَإِمَّا أَنْ يَقُولَ: وَاللهِ مَا أُبَالِي مَا تَكَلَّمُوا، وَإِنِّي وَاثِقٌ بِنَفْسِي، فَمَنْ أَمِنَ اللهَ عَلَى دِينِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ سَلَبَهُ إِيَّاهُ.

١١٥- عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: لَا تُجَالِسْ صَاحِبَ بِدْعَةٍ؛ فَإِنَّهُ يُمْرِضُ قَلْبَكَ.

○ الشريعة لأبي بكر محمد بن الحسين بن عبد الله الآجُرِّيُّ:

٢٠٦١ - عَنْ خُوَيْلٍ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: تَنْهَانَا عَنْ مُجَالَسَةِ عَمْرِو بْنِ عُبَيْدٍ وَهَذَا ابْنُكَ عِنْدَهُ؛ قَالَ: فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَاءَ ابْنُهُ فَقَالَ: يَا بُنَيَّ قَدْ عَرَفْتَ رَأْيِي فِي عَمْرٍو وَتَأْتِيهِ قَالَ: فَقَالَ: ذَهَبْتُ مَعَ فُلَانٍ , فَقَالَ: يَا بُنَيَّ أَنْهَاكَ

عَنِ الزِّنَا وَالسَّرِقَةِ وَشُرْبِ الْخَمْرِ، وَلَإِنْ تَلْقَى اللهَ عَزَّ وَجَلَّ بِهِنَّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَلْقَّاهُ بِرَأْيِ عَمْرٍو وَأَصْحَابِ عَمْرٍو.

کسی گمراہ اور بدعتی شخص یا جماعت کے ساتھ اس طرح تعاون کرنا اور اس کی ایسی تعظیم کرنا جس سے اس کی گمراہی کو حوصلہ اور تقویت ملے اور اس کو گمراہی کے پرچار کرنے میں سہولت ملے اس کا ناجائز اور گناہ ہونا واضح ہے، ماقبل میں مذکور حدیث اور امت کے اکابر اہلِ علم کے فرمودات سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

اس تحریر سے یہ بات بخوبی واضح ہو چکی کہ مسلمانوں کے لیے اپنے عقیدے کا تحفظ کس قدر اہمیت رکھتا ہے! اور اہلِ علم کی کس قدر ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عوام کے عقائد کا بھرپور طریقے سے تحفظ کریں!

مبین الرحمٰن

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

سُنّت سے محبت کیجیے، سُنّت سیکھیے اور اس پر عمل کیجیے

وضو سُنّت کے مطابق کیجیے

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

وضو شروع کرتے وقت یہ نیت کرے کہ: میں عبادت کے لیے وضو کر رہا ہوں، یا یوں نیت کرے کہ: میں اللہ کی رضا کے لیے وضو کر رہا ہوں۔ دل میں نیت کر لینا کافی ہے، البتہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا بھی درست ہے لیکن ضروری نہیں۔ پھر ''بسم اللہ'' پڑھے، اور سب سے پہلے دونوں ہاتھوں کو کلائیوں تک تین تین بار دھوئے۔ پھر دائیں ہاتھ سے تین بار اچھی طرح کلی کرے، اور مسواک کرے، اگر مسواک نہ ہو تو انگلی یا کسی کپڑے وغیرہ سے اپنے دانت صاف کرے۔ پھر دائیں ہاتھ سے تین بار اچھی طرح ناک دھوئے اور بائیں ہاتھ سے ناک کی صفائی کرے۔ پھر تین بار اچھی طرح چہرہ دھوئے کہ سر کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک، اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک سب جگہ پانی بہہ جائے، اور بہتر یہ ہے کہ چہرہ، ہاتھ اور پاؤں دھوتے وقت ان اعضا کو اچھی طرح ملے بھی تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہنے پائے۔ ڈاڑھی سے متعلق اتنی وضاحت ضروری ہے کہ ڈاڑھی کا وہ حصہ جو چہرے کی ان مذکورہ بالا حدود میں داخل ہے اس کو دھونا فرض ہے، پھر اگر یہ ڈاڑھی اتنی گھنی ہے کہ اندر کی کھال نظر نہیں آتی تو اندر تک پانی پہنچانا ضروری نہیں، البتہ اگر اندرونی کھال نظر آتی ہے تو ڈاڑھی کے بال دھونے کے ساتھ ساتھ اندر کھال تک بھی پانی پہنچانا ضروری ہے، اور ڈاڑھی کا وہ حصہ جو چہرے کی ان حدود سے باہر لٹکا ہوا ہو اس کو دھونا یا اس پر مسح کرنا واجب تو نہیں بلکہ سنت ہے، اس لیے چاہے تو اسے دھو لے یا اس پر مسح کر لے؛ دونوں درست ہیں، پھر اگر ڈاڑھی گھنی ہے تو اس کا خلال کرے اس طریقے سے کہ دائیں ہاتھ سے چلو میں پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے سے ڈاڑھی میں ڈالے اور انگلیوں کے ذریعے خلال کرتے ہوئے ہاتھ کو اوپر تک لے آئے۔ پھر پہلے دائیں ہاتھ کو کہنی سمیت تین بار اچھی طرح دھوئے، اس کے بعد بائیں ہاتھ کو کہنی سمیت تین بار اچھی طرح دھوئے، البتہ دونوں ہاتھ دھوتے وقت ہاتھوں کی انگلیوں سے دھونا شروع کرے اور کہنیوں تک لے جائے، پھر ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کرے، اور اگر انگوٹھی یا گھڑی وغیرہ کوئی چیز پہنی ہوئی ہو تو ہاتھ دھوتے وقت اس کو بھی ہِلا لے تاکہ اس کے نیچے کی جگہ بھی دُھل جائے۔ پھر ایک بار پورے سر اور دونوں کانوں کا مسح کرے اس طریقے سے کہ دونوں ہاتھوں کو تَر کر کے ان کی ہتھیلیاں اور انگلیاں سر کے اگلے حصے پر رکھ کر پچھلے حصے کی طرف اس طرح لے جائے کہ پورے سر کا مسح ہو جائے، پھر کانوں کا مسح کرے اس

طریقے سے کہ شہادت کی انگلی سے کان کے اندرونی حصے کا مسح کرے اور انگوٹھے سے کان کی پشت کا مسح کرے،اور بہتر یہ ہے کہ ہاتھوں کی چھوٹی انگلی کانوں کے سوراخوں میں داخل کرے، پھر انگلیوں کی پشت کی طرف سے گردن کا مسح کرے البتہ گلے کا مسح نہ کرے کیوں کہ یہ منع ہے۔ پھر پہلے دائیں پاؤں کو ٹخنے سمیت تین بار اچھی طرح دھوئے،اس کے بعد بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے دائیں پاؤں کی انگلیوں کا خلال اس طرح کرے کہ پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور انگوٹھے پر ختم کرے۔ پھر بائیں پاؤں کو ٹخنے سمیت تین بار اچھی طرح دھوئے،اس کے بعد بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے بائیں پاؤں کی انگلیوں کا اس طرح خلال کرے کہ انگوٹھے سے شروع کرکے چھوٹی انگلی پر ختم کرے،البتہ دونوں پاؤں دھوتے وقت پاؤں کی انگلیوں سے دھونا شروع کرے اور ٹخنوں تک لے جائے۔

(ردالمحتار، فتاویٰ ہندیہ، بہشتی زیور، عمدۃ الفقہ ودیگر کتب فقہ)

وضو کے فرائض:

وضو میں چار فرض ہیں:

- ایک بار چہرہ دھونا۔
- ایک بار دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا۔
- چوتھائی سر کا مسح کرنا۔
- ایک بار دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا۔

وضو کی سنتیں:

- ○ وضو شروع کرنے سے پہلے نیت کرنا۔
- ○ وضو شروع کرتے وقت سب سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔
- ○ وضو شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ کلائیوں تک تین بار دھونا۔
- ○ کلی کرنا۔
- ○ کلی کرتے وقت مسواک کرنا۔
- ○ ناک میں پانی ڈالنا۔

- ڈاڑھی کا خلال کرنا۔
- ایک بار پورے سر کا مسح کرنا۔
- کانوں کا مسح کرنا۔
- ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔
- پے در پے وضو کرنا کہ بلاضرورت وقفہ نہ کرے بلکہ مسلسل وضو کرتا جائے۔
- ترتیب سے وضو کرنا، (ترتیب وہی ہے جو وضو کرنے کے طریقے میں موجود ہے۔)
- وہ تمام اعضا جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں جیسے، منہ، ناک، چہرہ، ہاتھ اور پاؤں؛ ان کو تین تین بار دھونا۔

نوٹ: وضو کے فرائض، سنتوں اور مستحبات وآداب کی تفصیلات وضو کرنے کے طریقے میں مذکور ہیں۔
(ردالمحتار، فتاویٰ ہندیہ، بہشتی زیور، عمدۃ الفقہ ودیگر کتب فقہ)

وضو کی دعائیں:

1: وضو کے شروع میں "بسم اللہ" پڑھے۔

2: وضو کے دوران یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ، وَوَسِّعْ لِيْ فِيْ دَارِيْ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ.

(عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی حدیث:28)

3: وضو کے آخر میں یہ دعا پڑھے:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ. (صحیح مسلم حدیث:576)

یا یہ دعا پڑھے:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ، وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ. (سنن الترمذی حدیث:55)

بندہ مبین الرحمٰن
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

ایک اعتقادی غلطی کا ازالہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنّات کے بھی رسول ہیں!!

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

حضور ﷺ جس طرح انسانوں کے لیے رسول بنا کر مبعوث فرمائے گئے اسی طرح جِنّات کے لیے بھی رسول بن کر تشریف لائے، یہ ایک واضح اور مسلّم مسئلہ ہے، جس پر قرآن وحدیث کے دلائل اور امت کے جلیل القدر اکابر اہلِ علم کی تصریحات موجود ہیں، جن میں سے چند دلائل درج ذیل ہیں:

1: قرآن کریم سورۃ الفرقان آیت 1 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔

اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حضور ﷺ عالَمین یعنی تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہیں، چوں کہ جب تمام جہانوں کا ذکر ہوا تو اس میں جِنّات بھی داخل ہیں، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امت کی عظیم تفاسیر جیسے: تفسیر بغوی، تفسیر کشّاف، تفسیر بیضاوی، تفسیر امام رازی، تفسیر امام نسفی، تفسیر قرطبی، تفسیر جلالین، تفسیر خازن، تفسیر زاد المسیر، تفسیر ابو السعود اور اسی طرح دیگر جلیل القدر تفاسیر میں اسی آیت کے تحت یہی فرمایا گیا ہے کہ یہاں عالَمین سے مراد انسان اور جِنّات ہیں۔ اس سے حضور ﷺ کا جِنّات کے لیے نبی ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔

2: تفسیر روح المعانی میں سورۃ الفرقان آیت 1 کے تحت اس بات کو ضروریاتِ دین میں سے قرار دے کر اس کے منکر کو کافر قرار دیا ہے۔

والمراد بالعالمين عند جمع من العالمين: الإنس والجن ممن عاصره ﷺ إلى يوم القيامة. ويؤيده قراءة ابن الزبير للعالمين للجن والإنس، وإرساله ﷺ إليهم معلوم من الدين بالضرورة فيكفر منكره.

3: عظیم الشان تفسیر تفسیر ابن ابی حاتم میں اسی آیت کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر بیان کی گئی ہے کہ عالَمین سے مراد انسان اور جنّات ہیں۔

١٤٩٥٥- حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا قَيْسٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ: «لِلْعَالَمِينَ» قَالَ: الْجِنُّ وَالإِنْسُ.

4: سورۃ الجنّ کا نزول بھی اس کا واضح ثبوت ہے، جس میں جِنّات کا حضور ﷺ پر ایمان لانا بیان کیا گیاہے، یہ بھی بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ حضور ﷺ جِنّات کے لیے بھی نبی ہیں، ورنہ تو ان کے ایمان لانے کی کوئی معقول توجیہ نہیں کی جاسکتی۔

5: سورت الاَحقاف میں جِنّات کا یہ قول بھی بیان فرمایا گیا ہے جو انھوں نے اپنی قوم کو مخاطب کرکے کہا کہ:

يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ۔

ترجمہ: اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ، اللہ تمھارے گناہوں کو معاف کردے گا اور تمھیں دردناک عذاب سے نجات دے گا۔ اور جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہیں کرے گا تو وہ اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کرسکتا، اور ان کے لیے اللہ کے علاوہ کوئی مددگار نہیں ہوگا، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

ان آیات میں جِنّات کا اپنی قوم کو حضور ﷺ پر ایمان لانے کی ترغیب دینے کا ذکر ہے، اور ایمان نہ لانے والے کے لیے وعید بیان کرنے کا بھی ذکر ہے۔ یہ آیات بھی واضح دلیل ہیں اس بات پر کہ حضور ﷺ جِنّات کے بھی نبی ہیں۔

6: اس طرح احادیث سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے، جیساکہ السنن الکبری للبیہقی کی اس حدیث میں واضح طور پر یہ الفاظ ہیں:

٤٤٣٩- عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي مِنَ الْأَنْبِيَاءِ: جُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَلَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يُصَلِّي حَتَّى يَبْلُغَ مِحْرَابَهُ، وَأُعْطِيتُ الرُّعْبَ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، يَكُونُ بَيْنِي وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ مَسِيرَةُ شَهْرٍ فَيَقْذِفُ اللهُ الرُّعْبَ فِي قُلُوبِهِمْ، وَكَانَ النَّبِي يُبْعَثُ إِلَى خَاصَّةِ قَوْمِهِ، وَبُعِثْتُ أَنَا إِلَى الْجِنِّ وَالإِنْسِ، وَكَانَتِ الأَنْبِيَاءُ

يَعْزِلُونَ الْخُمُسَ، فَتَجِيءُ النَّارَ فَتَأْكُلُهُ، وَأُمِرْتُ أَنَا أَنْ أَقْسِمَهَا فِي فُقَرَاءِ أُمَّتِي، وَلَمْ يَبْقَ نَبِيٌّ إِلا أُعْطِي سُؤْلَهُ، وَأَخَّرْتُ شَفَاعَتِي لأُمَّتِي».

یہ حدیث مسند البزار میں بھی ہے۔

7: مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ معارف القرآن سورۃ الانعام آیت: 130 کے تحت فرماتے ہیں:

حضرت خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سارے عالم کے انسانوں اور جِنّات کا واحد رسول بنا کر بھیجا گیا اور وہ بھی کسی ایک زمانہ کے لیے نہیں، بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جنّ وانس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت ہیں، اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی سب کے رسول و پیغمبر ہیں۔

بندہ مبین الرحمٰن

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

27 رجب 1439/14 اپریل 2018

ایک نازک ترین اعتقادی مسئلے سے متعلق غلط فہمی کا ازالہ کیجیے

قدرتِ باری تعالیٰ اور مسئلہ امکانِ کذب

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

قدرتِ باری تعالیٰ اور امکانِ کذب کا مسئلہ انتہائی نازک، عوام کی سمجھ سے بالاتر اور خالص علمی مسئلہ ہے، اس میں ذرا سی بھی غلطی ایمان کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے، لیکن چوں کہ بعض طبقات کی جانب سے ہمارے حضرات اکابر دیوبند رحمہم اللہ پر الزام تراشی کا سلسلہ جاری ہے، جس کی زد میں آکر ہمارے سادہ لوح مسلمان بھی اکابر اہل علم کے بارے میں نازیباالفاظ استعمال کر کے اپنی آخرت کو نقصان پہنچانے میں مصروف ہو جاتے ہیں، یہ تحریر ایک سوال کے جواب میں اسی جذبے کے تحت لکھی گئی ہے کہ ہم اپنے اکابر کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کریں اور کسی پروپیگنڈے کا شکار نہ ہوں۔

بطورِ تمہید چند باتیں سمجھ لینی چاہیے:

1: چیزیں تین طرح کی ہوتی ہیں:

- واجب،
- محال،
- ممکن۔

2: جو کام ہو چکا ہے یا جو ہو سکتا ہے اسے ”ممکن“ کہتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوقات، یہ پوری کائنات اور اس میں موجود چیزیں، صفات اور احوال یہ سب ممکنات میں سے ہیں۔

3: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ ”اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ اللہ کی یہ قدرت ممکنات ہی سے تعلق رکھتی ہے کہ اللہ ہر ممکن چیز پر قادر ہے، کیوں کہ محال تو کہتے ہی اسے ہے جو واقع ہو ہی نہ سکتا ہو، جو ہو سکتا ہے وہ تو ممکن ہوا کرتا ہے۔

4: کسی ممکن چیز پر قادر نہ ہونے کو عجز کہتے ہیں کہ اگر۔۔ معاذ اللہ۔۔ اللہ کسی ممکن چیز پر قادر نہ ہو تو اس کو عاجز ماننا پڑے گا جو کہ واضح طور پر غلط بلکہ سنگین جرم بلکہ کفر ہے۔ بلکہ تعجب آمیز بات یہ ہے کہ جو کام بندہ کر سکتا ہو اس سے اللہ کیسے عاجز ہو سکتا ہے؟؟ ورنہ تو پھر اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اس معاملے میں اللہ عاجز ہے اور بندہ قادر۔۔۔ معاذ اللہ۔۔ بلکہ یہ تو اللہ کے اس قول ہی کے خلاف ہے کہ: إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرہ آیت: 20) کہ ”اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

5: کسی چیز پر قادر ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کو کرے بھی، ہم بہت سی چیزوں پر قادر ہوتے ہیں لیکن کرتے نہیں ہیں۔

6: کسی کام پر قادر ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کی ضد پر بھی قدرت حاصل ہو گی، کیوں کہ اگر اس کی ضد پر اس کو قدرت نہ ہو تو خود اسی کام پر بھی اس کو قدرت نہ ہو گی بلکہ وہ مجبور ہو گا، جیسے اگر کوئی بیٹھنے پر قادر ہے تو وہ کھڑا ہونے پر بھی قادر ہو گا، کیوں کہ اگر وہ کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو تو اسے بیٹھنے پر بھی قدرت نہ ہو گی، بلکہ اس کی مجبوری ہو گی۔

ان چھ تمہیدی باتوں کے بعد عرض ہے کہ:

اب سوال یہ بنتا ہے کہ جھوٹ بولنا اپنی ذات میں ممکن کام ہے یا محال۔ تو جھوٹ واضح طور پر بالاتفاق ایک ممکن کام ہے، جس کے دلائل یہ ہیں:

- اگر جھوٹ محال ہوتا تو اس کا وجود ہی نہ ہوتا، حالاں کہ بہت سے لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔
- اگر جھوٹ محال ہوتا تو سچ خوبی نہ ہوتی بلکہ مجبوری ہوتی، کیوں کہ جب جھوٹ محال ہوتا تو اس کا وجود ہی نہ ہوتا، اور جب جھوٹ کا وجود نہ ہوتا تو لوگ صرف سچ ہی بولتے، جو کہ خوبی نہ رہتی، بلکہ مجبوری ہوتی، اور مجبوری خوبی نہیں ہوا کرتی۔
- اگر جھوٹ محال ہوتا تو اللہ اس سے بچنے کا حکم نہ دیتا کیوں کہ جب جھوٹ محال ہو تو وہ ہو ہی نہیں سکتا تو اللہ اس چیز سے بچنے کا حکم کیسے دے سکتے ہیں جو وقوع پذیر ہو ہی نہ سکے؟؟

ان تین دلائل سے جب کذب کا ممکن ہونا ثابت ہوا تو ہر ممکن چیز اللہ کی قدرت کے تحت داخل ہے ورنہ تو عاجز ہونا لازم آئے گا جو کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں خود محال ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت اگر کذب نہ آتا ہو تو سچ پر بھی اس کی قدرت نہیں رہے گی، بلکہ سچ مجبوری ہو گی، معاذ اللہ۔

فتاویٰ رشیدیہ کے مسئلے کی وضاحت:

جب یہ مسئلہ واضح ہو چکا تو یاد رہے کہ یہی مطلب ہے حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے اس جملے کا کہ "اللہ جھوٹ پر قادر ہے۔"

فتاویٰ رشیدیہ کا ایک واضح فتویٰ:

جبکہ اسی فتاویٰ رشیدیہ میں یہ بھی فتویٰ موجود ہے کہ:

"اللہ کی ذات جھوٹ سے پاک ہے، معاذ اللہ اللہ کے کلام میں جھوٹ کا ہر گز ہر گز شائبہ نہیں، جو شخص اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ اللہ جھوٹ بولتا ہے وہ قطعاً کافر ہے، اور قرآن و حدیث اور اجماع کا مخالف ہے، وہ ہر گز مؤمن نہیں۔" (صفحہ 235)

معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر قادر ہونے میں واضح فرق ہے، اور اللہ کے لیے کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے، کیوں کہ کذب قبیح ہے اور اللہ کی ذات سے قبیح کا صدور نہیں ہوتا، اور اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے!!: وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا۔ (سورۃ النسا آیت: 122)

خلاصہ یہ کہ:

کذب ایک ممکن کام ہے اور ہر ممکن کام اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل ہے اور اللہ اس پر قادر ہے، لیکن جو ممکن قبیح ہو اس کا صدور اللہ کی ذات سے نہیں ہوتا، لیکن قادر ہونے کا یہ معنی ہر گز ہر گز نہیں کہ۔۔۔ معاذ اللہ۔۔۔ اللہ سے اس کا صدور بھی ہوتا ہو، بلکہ جو شخص اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ اللہ سے کذب کا صدور ہوا ہے یا ہوتا ہے وہ قطعاً کافر ہے، اور قرآن و حدیث اور اجماع کا مخالف ہے، وہ ہر گز مؤمن نہیں۔

باقی یہ بحث انتہائی نازک ہے اور عوام کی سمجھ سے بالاتر بھی، اس لیے ایسے مباحث میں پڑ کر کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اپنا ایمان تباہ کر بیٹھے۔

بندہ مبین الرحمٰن
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

احناف کے مذہب سے متعلق ایک مدلل تحریر

شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

شرمگاہ کو چھونے سے وضو لازم ہوتا ہے یا نہیں؛ یہ بھی ان مسائل میں سے ہے جن میں ائمہ مجتہدین کی ایک سے زائد اجتہادی آراہیں،احناف کے نزدیک شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

احناف کے پاس اس موقف کے لیے متعدد دلائل ہیں،اس موقف کا ثبوت حضور اقدس ﷺ سے بھی ہے،اور حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت حذیفہ، حضرت ابن عباس، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عمران بن حصین جیسے عظیم القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی،اور حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت طاوس جیسے جلیل القدر تابعین کرام سے بھی ہے۔

اس موقف کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

سنن ابی داود میں ہے:

١٨٢- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا مُلازِمُ بْنُ عَمْرٍو الْحَنَفِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَدْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَدِمْنَا عَلَى نَبِيِّ اللهِ ﷺ فَجَاءَ رَجُلٌ كَأَنَّهُ بَدَوِيٌّ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، مَا تَرَى فِي مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهُ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ؟ فَقَالَ: «هَلْ هُوَ إِلا مُضْغَةٌ مِنْهُ» -أَوْ قَالَ:- «بَضْعَةٌ مِنْهُ».

سنن النسائی میں ہے:

١٦٥ - أَخْبَرَنَا هَنَّادٌ عَنْ مُلَازِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَدْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: خَرَجْنَا وَفْدًا حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ جَاءَ رَجُلٌ كَأَنَّهُ بَدَوِيٌّ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا تَرَى فِي رَجُلٍ مَسَّ ذَكَرَهُ فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: «وَهَلْ هُوَ إِلَّا مُضْغَةٌ مِنْكَ» أَوْ: «بَضْعَةٌ مِنْكَ».

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

٢٠٠- مَنْ كَانَ لا يَرَى فِيهِ وُضُوءً:

١٧٤٩- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي قَيْسٍ، عَنْ هُزَيْلٍ: أَنَّ أَخَاهُ أَرْقَمَ بْنَ

شُرَحْبِيلَ سَأَلَ ابْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ: إِنِّي أَحْتَكُّ فَأُفْضِي بِيَدَيَّ إِلَى فَرْجِي؟ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: إِنْ عَلِمْتَ أَنَّ مِنْك بِضْعَةً نَجِسَةً فَاقْطَعْهَا.

١٧٥٠- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ سَعْدًا عَنْ مَسِّ الذَّكَرِ، فَقَالَ: إِنْ عَلِمْت أَنَّ مِنْك بِضْعَةً نَجِسَةً فَاقْطَعْهَا.

١٧٥١- حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ أَنَّهُ قَالَ: مَا أُبَالِي مَسِسْت ذَكَرِي أَوْ أُذُنِي.

١٧٥٢- حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنِ الْمِنْهَالِ، عَنْ قَيْسِ بْنِ سَكَنٍ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: مَا أُبَالِي مَسِسْت ذَكَرِي أَوْ إِبْهَامِي أَوْ أُذُنِي أَوْ أَنْفِي.

١٧٥٣- حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنِ الْمِنْهَالِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مِثْلَهُ.

١٧٥٤- حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ وَوَكِيعٌ عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا فِي مَجْلِسٍ فِيهِ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ، فَسُئِلَ عَنْ مَسِّ الذَّكَرِ فِي الصَّلاةِ، فَقَالَ: مَا هُوَ إِلا بِضْعَةٌ مِنْك، وَإِنَّ لِكَفِّكَ مَوْضِعًا غَيْرَهُ.

١٧٥٥- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ: مَا أُبَالِي إِيَّاهُ مَسِسْت أَوْ بَطْنَ فَخِذِي، يَعْنِي ذَكَرَهُ.

١٧٥٦- حَدَّثَنَا مُلاَزِمُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بَدْرٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ، عَنْ أَبِيهِ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: خَرَجْنَا وَفْدًا حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ، فَجَاءَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا تَرَى فِي مَسِّ الذَّكَرِ فِي الصَّلاةِ؟ فَقَالَ: «وَهَلْ هُوَ إِلاَّ بِضْعَةٌ» أَوْ: «مُضْغَةٌ مِنْك؟»

١٧٥٧- حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ قَابُوسَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ سُئِلَ عَلِيٌّ عَنِ الرَّجُلِ يَمَسُّ ذَكَرَهُ، قَالَ: لا بَأْسَ.

١٧٥٨- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيم، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنْ مَسِّ الذَّكَرِ فِي الصَّلاةِ فَقَالَ: مَا أُبَالِي مَسَسْتُهُ أَوْ أَنْفِي.

١٧٥٩- حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لا بَأْسَ أَنْ يَمَسَّ الرَّجُلُ ذَكَرَهُ فِي الصَّلاةِ.

١٧٦٠- حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قَالَ حُذَيْفَةُ: مَا أُبَالِي مَسَسْتُهُ أَوْ طَرَفَ أَنْفِي، وَقَالَ عَلِيٌّ: مَا أُبَالِي مَسَسْتُهُ أَمْ طَرَفَ أُذُنِي.

١٧٦١- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ قَالَ: قَالَ طَاوُس وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ وَهُوَ لا يُرِيدُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ وُضُوءٌ.

١٧٦٢- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ عَنْ مَسِّ الذَّكَرِ، فَقَالَ: «هَلْ هُوَ إِلاَّ حِذْوَةٌ مِنْك».

١٧٦٣- حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُهَاجِرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ مَسِّ الذَّكَرِ فَقَالَ: لا بَأْسَ بِهِ.

بندہ مبین الرحمٰن

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

ماہِ ذوالحجہ کی ایک اہم عبادت سے متعلق شرعی احکام سے آگاہی حاصل کیجیے

تکبیراتِ تشریق کے احکام

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

ذوالحجہ کا مہینہ عبادات کے لیے بڑی ہی اہمیت رکھتا ہے، اس میں قربانی اور حج جیسی عظیم عبادات کے ساتھ ساتھ ایک اہم عبادت تکبیراتِ تشریق کی بھی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کا بخوبی اظہار ہوتا ہے اور اللہ کی محبت اور عظمت بھی دلوں میں اجاگر ہوتی ہے۔

ذیل میں تکبیراتِ تشریق سے متعلق مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:

1: تکبیراتِ تشریق کے الفاظ:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

(مصنف ابن أبي شيبة رقم: 5696، 5697، 5699، فتاویٰ عالمگیری، رد المحتار)

2: تکبیراتِ تشریق کے کل پانچ دن ہیں: 9 ذوالحجہ سے لے کر 13 ذوالحجہ تک۔ ان پانچ دنوں کو ایامِ تشریق کہا جاتا ہے۔

(مصنف ابن أبي شيبة رقم: 5677، 5678، البحر الرائق، رد المحتار، اعلاء السنن، عالمگیری، جواہر الفقہ)

3: تکبیراتِ تشریق کا وقت 9 ذوالحجہ یعنی عرفہ کے دن فجر کی نماز سے شروع ہوتا ہے، اور 13 ذوالحجہ یعنی عید کے چوتھے دن کی عصر کی نماز تک رہتا ہے۔

(مصنف ابن أبي شيبة رقم: 5677، 5678، البحر الرائق، رد المحتار، اعلاء السنن، فتاویٰ عالمگیری)

4: تکبیراتِ تشریق ہر بالغ مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہیں، چاہے وہ شہری ہوں، دیہاتی ہوں، مقیم ہوں یا مسافر ہوں۔ (البحر الرائق، رد المحتار، فتاویٰ عالمگیری، امداد الاحکام، فتاویٰ محمودیہ، جواہر الفقہ)

5: تکبیراتِ تشریق صرف فرض نماز کے بعد کہنا واجب ہے، چاہے فرض نماز باجماعت ادا کی جائے یا اکیلے پڑھی جائے۔ لیکن وتر، سنت اور نفل نماز کے بعد ان تکبیرات کے پڑھنے کا حکم نہیں۔

(بدائع الصنائع، المحیط البرہانی، رد المحتار، الجوہرۃ النیرۃ، فتاویٰ محمودیہ، الموسوعۃ الفقہیہ، جواہر الفقہ)

6: تکبیراتِ تشریق جمعہ کی نماز کے بعد بھی کہنا واجب ہے، اسی طرح عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی کہنی چاہیے۔ (البحر، رد المحتار، فتاویٰ محمودیہ، اعلاء السنن)

7: تکبیراتِ تشریق صرف ایک ہی بار کہنا واجب ہے، نہ کہ تین بار، اس لیے ایک سے زائد بار نہیں کہنا چاہیے بلکہ ایک ہی بار کہنے پر اکتفا کرنا چاہیے۔

(رد المحتار، امداد الفتاویٰ، فتاویٰ دار العلوم دیوبند، احسن الفتاویٰ، فتاویٰ رحیمیہ)

8: تکبیراتِ تشریق مرد حضرات کے لیے بلند آواز سے کہنا واجب ہے، جبکہ خواتین آہستہ آواز سے پڑھیں گی۔ (فتاویٰ عالمگیری، ردالمحتار، جواہر الفقہ)

9: تکبیراتِ تشریق فرض نماز کے فوراً بعد کہنا ضروری ہے، اگر کسی نے یہ تکبیرات فرض نماز کے فوراً بعد نہیں کہی تو اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے جب بھی یاد آئے تو تکبیرات کہہ دے بشرطیکہ اس نے کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، لیکن اگر اس نے بات چیت کرلی، وضو توڑ دیا یا کوئی اور ایسا کام کیا جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو اب ان تکبیرات کا وقت باقی نہیں رہا اور نا ہی ان کی قضا ہو سکتی ہے، بلکہ ایسی صورت میں اس کوتاہی پر استغفار کرنا چاہیے۔ (ردالمحتار، فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ عالمگیری) البتہ اگر نماز کے فوراً بعد کسی شخص کا وضو خود بخود ٹوٹ جائے تو ایسی صورت میں اسی حالت میں تکبیرات کہہ دینے چاہیے، البتہ اگر وہ وضو کر کے آئے اور یہ تکبیرات کہہ دے تب بھی درست ہے۔

(البحر الرائق، حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی)

10: جس شخص سے امام کے ساتھ کچھ رکعتیں نکل چکی ہوں تو وہ بھی امام کے سلام کے بعد اپنی بقیہ نماز پوری کرنے کے بعد تکبیرات کہے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری، ردالمحتار، فتاویٰ رحیمیہ)

11: ان مذکورہ بالا پانچ دنوں میں کوئی نماز قضا ہو جائے اور اس کی قضا انہی پانچ دنوں میں کی جائے تو اس کے بعد بھی یہ تکبیرات پڑھی جائیں گی، لیکن اگر اس کی قضا ان پانچ دنوں کے بعد کی جائے یا ان پانچ دنوں سے پہلے جو نماز قضا ہوئی تھی وہ ان پانچ دنوں میں ادا کی جائے تو ان دونوں صورتوں میں اس قضا نماز کے بعد یہ تکبیرات نہیں کہی جائیں گی۔ (ردالمحتار، فتاویٰ عالمگیری، الموسوعۃ الفقہیہ)

12: اگر امام تکبیراتِ تشریق بھول جائے تو مقتدی حضرات کو چاہیے کہ وہ امام کا انتظار نہ کریں بلکہ فوراً تکبیرات کہہ دیں۔ (ردالمحتار)

بندہ مبین الرحمٰن

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

ایک نظریاتی غلط فہمی کا ازلہ کیجیے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنے کا حکم

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

حضرت علی رضی اللہ عنہ فیصلہ کرنے اور مشکل سے مشکل مسئلہ حل کرنے میں بڑی عمدہ مہارت رکھتے تھے، ان کی اسی ماہرانہ صلاحیت کی وجہ سے ان کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''وَأَقْضَاهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ'' کہ علی سب سے زیادہ فیصلہ کرنے میں مہارت رکھتے ہیں، جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں ہے:

١٥٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ، وَأَشَدُّهُمْ فِي دِينِ اللهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ، وَأَقْضَاهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، وَأَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا، وَأَمِينُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ.

یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں بڑے بہترین فیصلے کیے اور مشکل مسائل حل فرمائے، حتی کہ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں ''حلّ المعضلات'' کے لقب سے پہچانے گئے، جس کے فارسی میں معنی ہیں: مشکل کشا، یعنی مشکل مسائل حل کرنے والا۔ (فتاویٰ محمودیہ 364/1) اور مراد بھی یہی مطلب تھا، اس کے پیچھے کوئی شرکیہ، کفریہ یا کوئی اور غلط عقیدہ ہرگز نہ تھا، اور یہ جملہ بھی مشہور ہوگیا کہ ''قضية ولا أبا حسنٍ لها''۔ یہی وجہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد فیصلوں میں ان سے رائے طلب فرمائی اور ان کے فیصلے کو سراہا، اسی اعتماد کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش ہوتی تھی کہ مشکل فیصلوں اور مسائل میں ان سے بھی رائے طلب کی جاتی رہے۔ بس یہی حقیقت ہے اس جملے کی کہ ''حضرت علی مشکل کشا ہیں۔''

یہ تو ان کی زندگی کا معاملہ تھا کہ حقیقت میں وہ اس صفت کے مالک تھا کہ مشکل مسائل حل فرمادیتے تھے، اور جن اکابر کے کلام میں حضرت علی کے ساتھ ''مشکل کشا'' کا لقب ملتا ہے تو وہ بھی اسی معنی میں ہے کہ بطورِ صفت ان کے ساتھ مذکور ہے، جس سے اشارہ ان کی زندگی میں اسی ماہرانہ صفت کی طرف ہے، لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وفات کے بعد بھی مسائل

حل کر سکتے ہیں، یا ان کو مشکلات اور پریشانی میں پکارا جا سکتا ہے؟؟ ظاہر ہے کہ یہ باتیں بلا دلیل، قرآن وسنت کے واضح خلاف بلکہ شرک کے قبیل سے ہیں۔ مشکلات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکارنے کا شرکیہ عقیدہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بھی نہ تھا تو ان کے بعد کیسے درست ہو سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی مشکل کشا ہے جو ہر پریشانی دور کرتا ہے، مشکلات کے حل میں اسی کو پکارنا ایمان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی مشکل کشا صرف اللہ ہی ہے کہ وہی پریشان حال کی پکار سنتا ہے اور مشکل دور کر دیتا ہے، جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنا اس معنی میں ہر گز نہیں کیوں کہ یہ تو شرکیہ عقیدہ بن جائے گا، اس لیے عوام کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنے سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے۔

بندہ مبین الرحمٰن
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

مذاہبِ اربعہ خصوصًا مذہبِ حنفی کے پیروکاروں کے لیے
غلط فہمیوں کے ازالے اور دِلی اطمینان پر مشتمل ایک مفید تحریر

اپنے مجتہد امام کے مذہب پر عمل پیرا رہیے !!

- مذاہبِ اربعہ میں اختلاف کی نوعیت
- مذاہبِ اربعہ کے مقلّدِین کا نقطہ نظر
- کسی ایک امام کی تقلید کی عام سی وجہ
- امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کی وجہ
- کسی دوسرے امام کی کسی بات پر عمل کرنے سے متعلق ایک اہم پہلو
- کیا ہم کبھی کبھار سنت کی نیت سے رفع الیدین کر سکتے ہیں؟
- مخصوص حالات میں کسی دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کا حکم

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

مذاہبِ اربعہ میں اختلاف کی نوعیت:

مذاہبِ اربعہ کے مابین حلال و حرام کا اختلاف بھی ہے، جائز و ناجائز کا اختلاف بھی ہے، سنت ہونے اور سنت نہ ہونے کا اختلاف بھی ہے، مکروہ ہونے اور مکروہ نہ ہونے کا اختلاف بھی ہے، فرض و واجب ہونے اور نہ ہونے کا اختلاف بھی ہے، جب اختلاف کی نوعیتیں مختلف ہیں تو ان کا حکم بھی مختلف ہی ہوگا۔

مذاہبِ اربعہ کے مقلِّدین کا نقطہ نظر:

ان تمام اختلافات کے باوجود ان کے مابین حق و باطل کا اختلاف نہیں کہ ایک امام کا مقلد دوسرے امام کے مذہب کو باطل سمجھتا ہو، بلکہ ہر مذہب کا پیروکار یہ سمجھتا ہے کہ یہ چاروں مذاہب اپنے اپنے طور پر درست ہیں کیوں کہ ائمہ اربعہ نے قرآن و سنت کی روشنی ہی میں مسائل کا استنباط کیا ہے، یہ اختلاف اجتہادی ہے جو عہدِ نبوی ہی سے چلا آرہا ہے، البتہ میرے امام کا مذہب قرآن وحدیث اور شرعی دلائل کی روشنی میں دیگر مذاہب کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے اور یہ بھی ایک بڑی وجہ ترجیح ہوتی ہے کسی امام کے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی۔

کسی ایک امام کی تقلید کی عام سی وجہ:

قرآن و سنت میں جابجا شریعت کی مکمل اتباع کا حکم دیا گیا ہے جبکہ نفس اور نفسانی خواہشات کی اتباع سے سختی سے روکا گیا ہے، کیوں کہ نفس پرستی کا نام دین نہیں ہو سکتا۔ یہ چاروں مذاہب برحق ہیں البتہ ان کے مابین بہت سے مسائل میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں اس لیے اگر ایک کی تقلید لازم قرار نہ دی جائے تو معاملہ دین کی اتباع کی بجائے نفس پرستی تک جا پہنچے گا، جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ نفس سہولت اور آسانیاں تلاش کرتا ہے خصوصاً اس فتنوں کے دور میں اور دین بیزاری کے ماحول میں نفس کی سرکشی عام فتنہ بن چکا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ان

میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا ضروری ہے تاکہ اسی کی سختی اور نرمی دونوں پر عمل کیا جا سکے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کی وجہ:

ہم امام اعظم کی تقلید اس لیے کرتے ہیں کہ وہ تابعی ہیں، وہ دیگر تمام مجتہدین سے علم و فضل اور اجتہادی صلاحیتوں میں افضل ہیں، اس لیے ہمارے نزدیک ان کی بات زیادہ قابلِ اعتماد ہے، اور ہمارے برصغیر میں انھی کی فقہ روزِ اول سے رائج ہے، اس لیے ہمیں فقہ حنفی کے مسائل سے گہری مناسبت ہے اور اس کے بارے میں مکمل معلومات بھی۔

کسی دوسرے امام کی کسی بات پر عمل کرنے سے متعلق ایک اہم پہلو:

اس لیے عام حالات میں تو اپنے امام کو چھوڑ کر کسی اور امام کی کسی بات پر عمل کرنے کی متعدد خرابیاں ہیں وہاں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ بندہ جس مذہب کو زیادہ صحیح سمجھتا ہو تو وہ اس کو چھوڑ کر کسی ایسے مذہب پر کیسے عمل کر سکتا ہے جو اپنے مذہب کے مقابلے میں زیادہ صحیح نہ ہو؟؟ ظاہر ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کو کیسے چھوڑ سکتا ہے جسے اپنانے کے اس کے پاس متعدد دلائل ہوں؟؟

کیا ہم کبھی کبھار سنت کی نیت سے رفع الیدین کر سکتے ہیں؟

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ چوں کہ حضور ﷺ نے نماز میں رفع الیدین بھی کیا ہے تو کیا میں سنت کی نیت سے کبھی کبھار اس پر عمل کر سکتا ہوں؟؟ تو بندہ نے ان کو تفصیل سے سمجھا کر ان کی غلط فہمی دور کی کہ:

- رفع الیدین میں ائمہ کرام کا باہمی اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ یعنی افضل ہونے اور نہ ہونے کا ہے، جہاں تک احناف کا مسلک ہے تو شرعی دلائل کی روشنی میں ان کے نزدیک رفع الیدین سنت نہیں ہے، اس لیے جو شخص امام اعظم رحمہ اللہ کا مقلد ہے وہ رفع الیدین پر

سنت کی نیت سے کیسے عمل کر سکتا ہے؟؟

- ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ جیسا کہ دیگر بعض ائمہ کے ہاں رفع الیدین کرنا سنت ہے اسی طرح احناف کے ہاں رفع الیدین کا ترک سنت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رفع الیدین نہیں کرتا تو وہ بھی سنت ہی پر عمل کر رہا ہے، اس لیے جب وہ پہلے ہی سے سنت پر عمل پیرا ہے تو اس کے لیے اس سنت کو چھوڑ کر رفع الیدین پر سنت کی نیت سے عمل کیسے مناسب ہے؟؟
- اسی طرح شرعی دلائل کی روشنی میں جس عمل کے چھوڑنے کو وہ سنت سمجھ رہا ہے، اسی کو راجح سمجھتا ہے اور اپنی آخرت کے لیے اسی کو کامیابی سمجھتا ہے تو اس کو سنت کی نیت سے کیسے اختیار کر سکتا ہے؟؟ دین سے واقف شخص بخوبی آگاہ ہے کہ بعض اعمال کرنا سنت ہوتے ہیں جبکہ بعض اعمال نہ کرنا سنت ہوتا ہے!!

الحمد للہ کہ ان صاحب کو بات سمجھ آگئی کہ جب ہم پہلے ہی سے ایک سنت پر عمل پیرا ہیں تو اس کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں ایک ایسے عمل کے لیے جن کو ہم سنت نہیں سمجھتے؟؟ اس لیے تمام احباب یہ نکتہ ذہن نشین کر لیں کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی محبت میں رفع الیدین کو ترک کیا ہے کہ ہمارے نزدیک رفع الیدین نہ کرنا سنت ہے۔

اس لیے یاد رکھیے کہ عام حالات میں ایک امام کا مقلد اپنے ہی امام کے مذہب پر عمل کرے گا کیوں کہ اس کو وہ دیگر مذاہب کے مقابلے میں زیادہ صحیح اور راجح سمجھتا ہے، اسی کو اپنے لیے آخرت میں ذریعہ نجات سمجھتا ہے، اور اسی میں ہوس پرستی اور نفس پرستی سے حفاظت ہے۔

مخصوص حالات میں کسی دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کا حکم:

البتہ جہاں تک مخصوص حالات میں کسی اور امام کے مذہب پر فتوی دینے کا مسئلہ ہے تو اس کی بھی اپنی شرائط ہیں جن سے اکابر فقہائے کرام بخوبی واقف ہیں، اس صورت میں ان کا دیگر امام کے مذہب پر

فتوی دینا بھی شرعی دلائل ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے، وہی شرعی دلائل کا تقاضا ہوتا ہے، اس میں امت پر شفقت اور امت کے لیے سہولت مضمر ہوتی ہے، لیکن وہ مخصوص حالات ہوتے ہیں، ان پر عام حالات کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

تقلید کی حقیقت سمجھنے کے لیے شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب دام ظلہم کی کتاب ''تقلید کی شرعی حیثیت'' تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں۔

مبین الرحمٰن

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

جُمادی الثانیہ 1440ھ/فروری 2019